خلافت وملوکیت

تالیف

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

ترجمہ وحواشی: حامد کمال الدین

کتاب محل

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب: خلافت وملوکیت (ترجمہ)

عربی نام: الخلافةُ و الملك

تالیف: شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

ترجمہ وحواشی: حامد کمال الدین

سرورق: ابو بکر صدیق

ناشر: کتاب محل

قیمت: 700

فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا، وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَة. (ابو داود، الترمذی، أحمد۔ السلسلة الصحيحة 2735)

"تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا، بہت سا اختلاف دیکھے گا۔ تو لازم پکڑنا میرے دستور کو اور خلفائے راشدین مہدیین کے دستور کو۔ اس کو مضبوطی سے تھام کر رکھنا۔ اس کو ڈاڑھوں میں دبا کر رکھنا۔ اور بچ کر رہنا نئی گھڑلی جانے والی چیزوں سے؛ کیونکہ ہر گھڑلی گئی چیز (دین میں) نئی اپج ہے؛ اور ہر نئی اپج گمراہی"۔

فہرست

عرض مترجم "خلافت وملوکیت"، اردو ترجمہ کی ضرورت؟ 11

حصہ اول: جماعت

فصل 1 **اسلام کا آئین: تین اطاعتیں** 19

اللہ اور رسولؐ کی اطاعت ہر کسی پر، ہر حال میں 19

"اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف لوٹانا"... کس طرح؟ 21

"اللہ" اور "رسول" کے بعد ایک تیسری وفاداری 23

(تیسری اطاعت میں): سمع وطاعت کا وجوب (اور اس کی کچھ حدود) 25

فصل 2 **جماعت (بندھن)، اطاعت، پابندی، وفاداری... شرع کا عائد کردہ، نہ کہ انسانوں کا کیا سمجھوتہ** 29

امراء کی اطاعت ومناصحت واجب، اگرچہ اس پر "پیمان" نہ بھی ہوا ہو 29

اجتماع (بندھن) کے امور.. نماز روزہ کی طرح "شرع" کے عائد کردہ! 30

حلف بردار بھی یہاں اپنے حلف کو ختم کرنے کا مجاز نہیں 31

جبری اٹھوایا جانے والا حلف معتبر نہ ہونے کا درست سیاق 32

بیعتِ شرعی کو توڑنے کی سنگینی... خونِ مسلم کی حرمت 34

ولی الامر کے خلاف خروج کرنے والوں کی اقسام 37

بہترین ائمہ اور بدترین ائمہ؟ ان کی نافرمانی کب ہو سکتی ہے؟ 38

اطاعت صرف معروف میں 42

فصل3 معبود سے.. جماعت 45
آئینِ عبادت 45
اطاعتِ شرعی...نہ کہ دنیادارانہ اطاعت 47

حصہ دوم: امامت

فصل4 خلافت میں ملوکیت کی آمیزش، شرعی حکم 51
قاعدہ بسلسلہ خلافت وملوکیت 51
صرف کچھ بدعتی ٹولے ہیں جو علیؓ کا چوتھا نمبر نہیں مانتے 51
خلافتِ نبوت کے بعد 53
ملوک (بادشاہوں) کو خلفاء کہنے کا جواز 57
اکیلے راعی نہیں رعایا بھی ذمہ دار! 59
امراء کی اطاعت بھی، اصلاح بھی 59
حسنات اور سیئات کا ایک ہی جگہ یا ایک ہی شخص میں جمع ہونا...اہل سنت کا ایک معروف مقدمہ 61
خلافتِ راشدہ کا وجوب...اور ملوکیت سے ممانعت...شریعت میں کس درجے کی ہے؟ 63
خلافت اور بادشاہت کا حکم 65
مسئلہ "خلافت وملوکیت" پر سامنے آنے والی دو انتہائیں 67
معاویہؓ و علیؓ کی خلافت 68
عجز (بے بسی) کی حالت میں، شریعت کے بعض واجبات کا ترک جائز ہونا 72
پہلی صورت: کامل بے بسی 73
دوسری صورت: "مشقت" 75

	میزانِ حق	78
فصل5	**ملوکیت کا ہم سے پہلوں کی شرع میں جائز ہونا**	81
	پچھلی شریعتوں میں بادشاہت کا حکم	81
	نبوت کی بعض صورتوں کا "بادشاہی" کہلانا	82
	قرآنِ مجید میں صالح بادشاہوں کا ذکر	84
فصل6	**قیامِ دین: "کتاب" اور "فولاد" کا یکجا ہونا**	86
	راعی ورعایا... کس مقصد کو بروئے کار لانے کے لیے؟	86
	اکثر آیات اور احادیث کا "صلوۃ" اور "جہاد" سے متعلق آنا	89
	امیر ہی "صلوۃ" کا امام، امیر ہی "جہاد" کا امام	92
	مسلمانوں میں تین ولایتیں چلی آنے کی روایت	93
	سربراہوں کے ایوان وہیں، جہاں نمازیوں کے مجمعے	93
فصل7	**"خلافت"، "سلطان" اور "ظِلُّ اللہ"**	97
	خلافت وسلطان "زمین میں اللہ کا سایہ" کس معنیٰ میں	97
	آدمؑ اور داؤدؑ کے مابین کچھ خاص مناسبتیں	98
	امام کو "خلیفہ" کہا جانا	99
	ابن عربی کا پیدا کردہ مغالطہ: "خلیفہ" کا مطلب 'خدا کا نائب'!	101
	"اللہ کا خلیفہ" کوئی نہیں ہو سکتا	102
	السُّلْطَانُ ظِلُّ اللهِ فِي الأَرْض کی تحقیق	108
فصل8	**خلافت کا، مسلمانوں کے چناؤ سے ثابت ہونا**	112
	فصل: في ثبوت الخلافة بالاختيار، ووجوب الطاعة	112

اس موضوع پر بعض فرقوں کی رائے کا فساد 112

خلافتِ ابو بکرؓ کی بابت قولِ تحقیق: ایک نہایت اہم تاصیل 113

حصہ سوم: تاریخ

فصل 9 علی اور ان سے لڑنے والوں سے متعلق اہلِ اھواء کے مذاہب 123

فَصْلٌ: أَهْلُ الْأَهْوَاءِ فِي "قِتَالِ عَلِيٍّ وَمَنْ حَارَبَهُ" عَلَى أَقْوَال 123

اس موضوع پر اہل سنت کا مذہب 124

نری عداوت پر مبنی خونریزی ایک اور چیز ہے 125

"مرتکبینِ زیادتی" (بُغَاۃ) اور "خوارج" ایک ہی چیز؟ 126

مانعینِ زکاۃ کے ساتھ بھی قتال از خود شروع کیا جائے گا 131

فصل 10 مشاجراتِ صحابہؓ، چند مختصر تقریرات 133

معاویہؓ پر لعنت کرنے والے کے متعلق کیا لاگو آئے گا؟ 133

صحابہؓ کو برا بھلا کہنے کی حرمت 134

صحابیت درجہ بدرجہ ہے 134

ابو بکر کو بطورِ خاص "صحابی" کہا جانا 138

معاویہؓ و عمروؓ بن العاص وغیرھم کے متعلق سلف کی رائے 140

منافقین صرف اہل مدینہ میں ہوئے؛ اس بات کا پس منظر 141

نبی ﷺ کا معاویہؓ کو اپنا کاتب بنانا اور ان کے حق میں دعا فرمانا 142

عمرؓ ایسی ہستی کا معاویہؓ کو والی بنانا کیا دلالت رکھتا ہے؟ 143

ابو بکرؓ اور عمرؓ نے کبھی کسی منافق کو والی بنایا اور نہ اپنے کسی رشتہ دار کو 144

نبی ﷺ کا عمروؓ بن العاص اور ابو سفیانؓ کو امارت و ولایت دینا 144

روایتِ حدیث میں معاویہؓ و عمروؓ کا عدل ہونا 145

معاویہؓ و دیگر اصحابؓ پر لعنت کرنے والے کا حکم 145

نرے ظن کی بنیاد پر کسی کو متعین کر کے جنتی یا دوزخی کا حکم نہ لگایا جائے گا 148

معصوم عن الخطا کا مسئلہ 149

نبی ﷺ کا حسن کی ستائش فرمانا کہ ان کے ہاتھوں مومنوں کے دو متحارب ٹولوں میں صلح ہو گی 151

اہل صفین کے مقتولین کا حکم نبی ﷺ کے نزدیک خوارج مارقین والا نہ ہونا 152

مومنوں میں آپس کی لڑائی ہو جانا انہیں ایمان سے خارج نہیں کرتا 153

دو خلیفوں کے مابین لڑائی والی حدیث من گھڑت ہے 154

جاہلوں کا علیؓ و عثمانؓ ہر دو کے متعلق جھوٹے گمان پھیلانا 155

سبھی اقراری ہیں کہ معاویہؓ علیؓ کے ہم پلہ نہیں 156

"إِنَّ عَمَّارًا تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ " والی حدیث کے اطلاقات 156

"باغی" دو قسم پر ہے: متأوِّل اور غیر متأوِّل 159

عمارؓ والی حدیث کو پورے لشکرِ معاویہؓ پر لاگو کرنا؟ 161

عمارؓ کا ساتھ دینے کے موضوع پر فقہائے صحابہؓ کے مواقف 162

اہل بیت کبھی لونڈی غلام نہیں بنائے گئے 164

حصہ چہارم: تعامل

فصل 11 اہلِ دین کے مابین لڑائیاں اور فتنے 169

اہل دین کا آپس میں لڑنا: عظیم گناہوں میں سے 169

اہل دین میں صلح صفائی کروانا: اہم ترین فرائض میں سے 172

مظلوم کو صبر کرنے پر اجر؛ ظالم کو سخت وعیدیں 173

	لڑائیاں اور فتنے ہونے کی ایک وجہ: گناہوں کی زیادتی	176
فصل12	**قومی و جاہلی نعرے؛ اور اہل اسلام کے مابین فتنے**	177
	جاہلی قومی لڑائیوں میں پڑے ہوؤں کے مابین صلح صفائی کروانا	179
	خون کے بدلے کو شریعت کا عائد کردہ فرض کہہ کر مسلمانوں میں لڑائیوں کا سلسلہ چلانے والا اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے	181
	صلح کے بعد قتل کرنے والا کتنا بڑا گناہگار ہے	183
فصل13	**شریعت سے سرتابی کرنے والے طبقے** (طائفة ممتنعة)	185
فصل14	**ناپابندِ شریعت مسلمانوں کا کافر اقوام سے لڑنا**	188
فصل15	**سلطان کے حکم پر رہزنوں سے لڑتے ہوئے مارنے یا مرنے والا**	191
فصل16	**"بھائی وال" ہونے سے متعلق کچھ شرعی احکام**	192
	"بھائی وال" ہونے نہ ہونے سے قطع نظر، رشتوں/ذمہ داریوں کی شرعی حیثیت اپنی جگہ قائم	192
	مہاجرین وانصار کی مؤاخات سے متعلق ایک شرعی حکم جو اَب منسوخ ہے	193
	اسلام کا فریضۂ اُخوت بجائے خود کافی ہے	194
	محبت ونصرت اور بغض وعداوت اصل وہ جو شریعت نے از خود فرض کردی	198
	کیا مہاجرین وانصار ایسی "مؤاخات" آج کی جاسکتی ہے؟	199
	غیر محرم کو بہن بنانا!	201
	نیک کاموں میں "بھائی وال" ہونا ہی علماء کے مابین مسئلہ نزاع ہے	201
	شریعت مسلمانوں کے سب اتفاقات، معاہدوں اور اصطلاحات کو over-ride کرے گی	203

"خلافت وملوکیت"، اردو ترجمہ کی ضرورت؟

مجموع الفتاویٰ کا 35واں مجلد "باب الخلافة والملك وقتال أهل البغي" سے شروع ہوتا ہے۔ مجلد کے لگ بھگ سو صفحات لیتی یہ فصول "الخلافة والملك"[1] کے عنوان سے علیحدہ کتاب کے طور پر بھی ملتی ہیں۔ یہاں اس کا اردو ترجمہ پیش ہے۔

"فتاویٰ" کی یہ فصول "جماعت" و "امامت" پر مؤلف کی کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے۔ پھر بھی؛ مسئلہ کے کچھ علمی و تاریخی جوانب کی تاصیل indigenization میں اہم ہیں۔ نیز خلافت و ملوکیت کے حوالہ سے یہاں جو کچھ بحثیں چل رہی ہیں، ان میں ایک اچھی رہ نمائی ہیں۔

ان فصول میں ہماری دلچسپی کی ایک خاص وجہ: ابن تیمیہؒ کے یہ مقالات اسلام کے تصورِ اجتماع کو ایک اعلیٰ ضبط دینے میں مفید ہیں۔ ہماری دانست میں، اصحابِ نظر اس سے ایک "پیراڈائم شفٹ" کی بنیاد پا سکتے ہیں۔ "اجتماع" کے وہ تصورات جنہیں الحاد پر کھڑی ایک تہذیب نے اپنی تعلیم و تحقیق کی "heavy industry" کے ذریعے آج "بدیہیات" کا رنگ دے ڈالا ہے، دورِ آخر کا ایک واقعہ ہیں، جس سے ماضی میں ہمیں واسطہ نہیں پڑا؛ پس یہ تو ممکن نہیں کہ اِن (ہیومن اسٹ) "بدیہیات" کے بطلان پر متقدمین سے کوئی

[1] شایع از مکتبة المنار، بتحقیق حماد سلامة۔ عربی متن پی ڈی ایف کے لیے ویب لنک: https://archive.org/download/FPklamlkklamlk/klamlk.pdf

باقاعدہ مواد لائیں۔ یہ کام تو ان معاصر عقول کے سر رہا، جنہیں "سنت و جماعت" کے اوزاروں پر دسترس ہو۔ ابن تیمیہؒ کے یہاں؛ بس بعض جگہوں پر ہمیں کچھ ٹچ touch ملتے ہیں جو اس کام کو ایک گونہ آسان کریں۔ کتاب کا یہی پہلو ہمیں سب سے اہم لگا۔ لہٰذا؛ ترجمہ کے علاوہ کچھ کاوش ہم نے اسی حوالہ سے کی:

1. ہیومن اسٹ تصورات کے بطلان پر جہاں جہاں ابن تیمیہؒ کے کلام میں ہمیں کچھ ٹچ ملے، حاشیوں میں ہم نے اس کی تھوڑی نشان دہی کر دی۔
2. البتہ ایسے مقامات جو کسی قدر کھولنا ضروری تھے، یا کچھ مباحث جن پر ان مقامات کا کھلنا منحصر تھا، وہاں ہم نے "تعلیقات" کا سہارا لیا، جو ایک علیحدہ کتاب میں شائع ہوں گی، ان شاء اللہ، بعنوان: [مملکتِ اسلام بموازنہ ماڈرن سٹیٹ، "خلافت و ملوکیت" مؤلفہ ابن تیمیہ کی روشنی میں]۔

*****

نوواردات کے حوالہ سے؛ آج عالم اسلام کے اندر ہمیں دو مسائل کا بیک وقت سامنا ہے:

1. ایک وہ مسلمان جو ہیومن ازم کے گھاٹ سے پی پی کر اسلام کی دریافتِ نو "rediscovering Islam" کی مشق فرماتے آرہے ہیں۔ یہ درجہ بدرجہ کئی طبقے ہیں۔ حاشیوں اور تعلیقات میں ہماری زیادہ توجہ انہی کی طرف رہی؛ کیونکہ یہ اسلام کے مسخ ہی کا آلہ کار بنے جاتے ہیں؛ جبکہ اس وقت کا سب سے بڑا محاذ ہماری نظر میں: اسلام کو خالص رکھنا۔ یہ سمجھنا درست نہیں کہ یہ (ری فارمسٹ) روش "دی گئی صورتحال میں مسلمانوں کو ایک حل نکال کر دینے" کی کوشش ہے۔ اس

سے بڑھ کر؛ یہ "اسلام کی تفسیرِ نو" کا ایک بھیانک عمل ہے؛ جس کے لیے ان کا استیحاء inspiration جدید تصورِ اجتماع سے ہو رہا ہے۔ جب بھی یہ اپنے تئیں پہلے کام کی طرف بڑھے گی (مسلمانوں کو اندریں حالات ایک راہ بنا کر دینا)، لا محالہ دوسرا کام کر آئے گی (اسلام ہی کا ایک نیا ورژن نکالنا)۔ اس لیے کہ کچھ ہیومنسٹ مسلمات، جو اسلام کے ساتھ اس کے صمیم core میں ہی متعارض ہیں، یہاں اذہان کی تہہ میں اتر، دلوں میں کھُب گئے ہوئے ہیں (أُشرِبُوا فی قلوبھم العجل)۔ نتیجتاً؛ ایک "دی گئی صورتحال" میں اسلام کو راہ بنا کر دینا ان کا مسئلہ نہیں رہا اگرچہ یہ کسی وقت ایسا سمجھ رہے ہوں؛ بلکہ مسئلہ ہو گیا ہے الحاد کی کوکھ سے برآمد ہونے والے ایک جہانی عمل کو "اسلام" میں راہ بنا کر دینا۔ اس طبقے کا ہر ذہن اور ہر شیڈ shade، دانستہ یا نادانستہ، تھوڑی دیر میں عالم اسلام کے اندر ہمارے دشمن کیمپ ہی کا ہراول ہو رہے گا؛ لہٰذا اس سے ہوشیار رہنا ہماری اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت۔

2. دوسرا، ہمارے اسلامی تراث سے وابستہ طبقوں میں پایا جانے والا وہ ایک جامد یا آئیڈیلسٹ عنصر، جو کچھ اصول و قواعد کو لاگو کرنے میں زمانے اور احوال کے فرق کو قطعی غیر متعلقہ جانتا ہے۔ تراث سے ملنے والے یہ اصول و قواعد جو بے شک حق ہیں، البتہ ایک الجھی صورتحال کے اندر، جہاں حسنات و سیئات خلط ہوں، یا جہاں حق کے ان بہت سے ابواب کو قائم رکھنے کے لیے درکار "قدرت" مفقود ہو... اپنے اسلامی تراث سے ملنے والے یہ اصول و قواعد وہاں کتنے مختلف طریقوں سے لاگو ہوں گے، اور وہاں ہمیں اسلام کے کس مطلوب کو کس مطلوب کی قیمت پر حاصل

کر کے رہنا ہو گا، یہ سب مباحث ان حضرات کے کوچے میں داخلہ نہیں پاتے۔ نتیجتاً "الجماعہ" کے سب یا اکثر زریں مطالب ان کے یہاں 'زور بیان' یا 'امید و آرزو' (رومانس) کی چیز بن رہتے ہیں (جس کا ایک کلائمکس "انتظارِ مہدی" ہے)؛ جبکہ یہ نرے عزلت نشین، زندگی کی دوڑ سے باہر، بلکہ زندگی کی روانی کے آگے بند باندھنے والے۔ اس (آئیڈیلسٹ) رخ پر جانے والا ایک طبقہ ماضی کے محاکمہ کی طرف بڑھتا ہے؛ اور نبی ﷺ کی رحلت کے تیس سال بعد اسلام کا سیاسی وجود کرۂ ارض پر ختم ٹھہراتا یا اس پر کچھ سنگین سوالات اٹھاتا ہے۔ جبکہ اس (آئیڈیلسٹ) رخ پر جانے والا ایک دوسرا طبقہ حال کی طرف متوجہ ہوتا ہے جہاں مسلمانوں کے بہت پیچھے رہ جانے (نیز استعمار کا مفتوح ہو جانے) کے نتیجے میں زندگی کے اکثر ندی نالے سرے سے کفار کے رخ پر بہنے لگے ہیں؛ اور جنہیں پھر سے اسلام کے رخ پر بہانے کے لیے شاید صدیوں کی جہد اور صبر درکار ہو، اور بیچ کا یہ عرصہ (خالص اسلام پر اصولی و اعتقادی طور پر جمے رہ کر) عمل کے میدان میں "مصالح اور مفاسد" کے ایک ہر دم بدلتے موازنہ کی بنیاد پر راستہ بناتے چلے جانے کی ضرورت... تو یہاں یہ (آئیڈیلسٹ) ذہن زمانے کو اپنے اُنہی زریں اصول و قواعد کی بنیاد پر بدل جانے کا "نوٹس" دیتا... اور تاوقتیکہ زمانہ اِس کی شرطوں پر نہیں آتا، یہ یہاں کے اجتماعی/سیاسی عمل میں اسلام اور مسلمان کا کوئی کردار نہیں دیکھتا۔ نتیجہ: ایک عزلت، منفیت، یاسیت، سرد مہری اور بے دلی... یا پھر ایک بھڑکیلی جذباتیت؛ کہ اس سے بھی بڑی فرسٹریشن کا پیش خیمہ۔ جبکہ اسلام کے اجتماعی مطالب، جن سے امت ایک دن لاتعلق نہیں رہ سکتی، ایک "غیر معینہ" مدت تک معطل! اس

جامد یا آئیڈیلسٹ ذہن کے لیے بھی ابن تیمیہؒ کے ان مقالات میں بہت کچھ آیا ہے، جس پر ہم اپنے حاشیوں یا تعلیقات میں کچھ نشان دہی کریں گے۔[2]

یہ ہر دو پہلو نظر میں رہیں، تو یہ کتاب ہمیں دو متحارب تباہ کن راہوں سے بچ نکلنے کے لیے ایک محفوظ متوازن سمت دیتی ہے۔

*****

چند ٹیکنکل باتیں:

مجموع الفتاوی میں ابن تیمیہؒ کا کلام صرف متن میں ہوتا ہے۔ فصول کے نام اور سرخیاں، یا کسی وقت شیخ کے لیے القاب اور دعائیں وغیرہ، مدوّن کرنے والوں کے دیے ہوتے ہیں۔ یہاں سے؛ فصول کے عنوانات اور ذیلی سرخیوں میں ہم نے بھی کچھ تصرف کی گنجائش لی ہے۔ فصل بندی بھی ہم نے ہو بہو وہ نہیں رکھی۔ تاہم مدوّن کی دی ہوئی سرخیاں ہمارے اِس ترجمہ میں آپ کو خط کشیدہ ملیں گی۔ جو سرخیاں خط کشیدہ نہیں وہ ہماری دی ہوں گی۔ ابن تیمیہ کا اپنا کلام صرف متن میں ہے، وہاں بھی اور یہاں بھی۔

متن میں وارد احادیث کی تخریج وغیرہ چند مقامات پر ہم نے دی ہے۔ اکثر ایسا نہیں ہو سکا۔ شاید کتاب کے اگلے کسی ایڈیشن میں ممکن ہو، اگر اللہ نے چاہا۔

حاشیوں میں، کتب کے حوالہ جات (صفحہ نمبر) عرب کی معروف الیکٹرانک لائبریری المکتبۃ الشاملۃ کے حساب سے ہوں گے۔ اس سے ہٹ کر اگر کچھ ہو، اس کا الگ

[2] ثانی الذکر اپروچ کی درستی کے لیے: ہمارے یہاں "فقہ الموازنات" کے زیر عنوان تحاریر کا ایک مستقل سلسلہ چلا آتا ہے۔ ویب سائٹ پر یہ ضمیمہ اپ ڈیٹ کیا جاتا ہے۔ www.eeqaz.org

سے ذکر ہو گا۔

*****

"الخلافة والملك" کا ترجمہ اول تا آخر پورا ہے [مجموع الفتاویٰ کے آخری مجلد، (35) کا پہلا پورا باب "الخلافة والملك وقتال أهل البغي" (جو مجلد کے شروع تا صفحہ 98 چلتا ہے)]۔ "اجتماع" کے اسلامی تصور پر ابن تیمیہؒ کے کلام سے کچھ اہم جوانب مزید کوَر cover کرنے کے لیے، آپؒ کی ایک اور کتاب "السياسة الشرعية في إصلاح الراعي والرعية"[3] کا اردو اختصار ہم عنقریب پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اور اس کے بعد کسی وقت، کتبِ عقیدہ سے — جو مکتبۂ اسلام میں "کتب السنة" کے نام سے باقاعدہ ایک شیلف ہیں — "الجماعة" سے متعلقہ کچھ مباحث، ان شاءاللہ۔ تاکہ "السنة" و "الجماعة" کا وہ سنگم اس 'بھٹکے ہوئے آہو' کو نشان زد ہو سکے۔

وماتوفیقی الا باللہ، علیہ توکلتُ وإلیہ أنیب۔

حامد کمال الدین

[3] شایع از دار عالم الفوائد، بتحقیق علي بن محمد العمران۔ پی ڈی ایف کے لیے ویب لنک https://www.archive.org/download/waq33262waq/33262.pdf

حصۂ اول

جماعت

["سٹیٹ" نامی کسی شے سے ہم اپنے مصادرِ دین میں واقف نہیں۔ نہ متقدمین کے استعمال میں اس کا کہیں وجود۔ اور یہ نرا لفظی مسئلہ نہیں؛ پورے ایک پیراڈائم کی درآمد ہے۔ اسلام کے 'ری فارم' reform یا 'ری شیپ' reshape کی یہیں سے ایک بنیاد پڑتی اور پھر بہت آگے تک جاتی ہے۔ اپنے اسلامی مصادر میں: ایک چیز ہے "جماعۃ المسلمین" (محمد ﷺ کو ماننے اور باطل خداؤں اور شریعتوں سے براءت کر آنے والوں کا ایک زمینی اکٹھ) جو انسانوں کو دین کی بنیاد پر دو کیمپ کر دینے سے وجود میں آتا ہے۔ کسی وقت مضاف الیہ کو حذف کرتے ہوئے اسے "الجماعۃ" کہتے ہیں۔ اور دوسری چیز: اس "اکٹھ" کو، جو اللہ کی طرف سے مسلمانوں پر فرض ہے، زمین میں ملنے والی تمکین (**سُلْطَانًا نَصِيْرًا**)۔ اپنی اس متمکن حالت میں "جماعت" اپنا "امام" رکھتی ہے؛ کہ جماعت بغیر امامت متصور نہیں، جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا۔ پس یہاں دو مبادی ہوئے: ایک اللہ کو ماننے والوں کی جماعت اور ایک ان کی امامت و اِدارت۔ ابن تیمیہؒ کے ان مقالات میں پہلی تین فصول، جنہیں ہم نے حصہ اول کہا، "جماعت" کے کچھ مباحث لاتی ہیں]۔

مترجم

آئینِ اسلام: تین اطاعتیں

مجموع الفتاوىٰ، المجلد 35:

بَابُ الْخِلَافَةُ وَالْمُلْكُ وَقِتَالُ أَهْلِ الْبَغْيِ

قَالَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ أَحْمَد ابْنُ تَيْمِيَّة – قَدَّسَ اللَّهُ رُوحَهُ –:

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاَللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا؛ مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إلَهَ إلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا.

أَمَّا بَعْدُ: فَهَذِهِ " قَاعِدَةٌ مُخْتَصَرَةٌ فِي وُجُوبِ طَاعَةِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ " فِي كُلِّ حَالٍ عَلَى كُلِّ أَحَدٍ وَأَنَّ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ وَرَسُولُهُ مِنْ طَاعَةِ اللَّهِ وَوُلَاةِ الْأُمُورِ وَمُنَاصَحَتِهِمْ: **قَاعِدَةٌ:**

اللہ اور رسولؐ کی اطاعت ہر کسی پر، ہر حال میں

یہاں ایک مختصر قاعدہ ذکر کیا جاتا ہے: دین میں دو اطاعتیں تو ایسی ہیں کہ ہر حال میں ہر شخص پر فرض ہیں۔ البتہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے خدا کی فرماں برداری کے ساتھ ساتھ اولی الامر کا فرماں بردار اور خیر خواہ رہنے کا جو حکم[4] دے رکھا ہے وہ بھی فرض ہے[5] اور اس کے علاوہ بھی فرائض ہیں۔ فرمایا:

---

[4] دیکھئے ہماری تعلیق: [تین اطاعتوں والا دین، آج اجنبی]۔

[5] ملاحظہ ہو ہماری تعلیق: [لَا إِسْـــــلَامَ إِلَّا بِجَمَـــــاعَةٍ]۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا[6] (النساء:58)

اللہ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے سپرد کرو۔ اور جب لوگوں کے فیصلے کرو تو عدل کے فیصلے کرو۔ یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمہیں اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔ بے شک اللہ سنتا ہے، دیکھتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (النساء:59)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول (ﷺ) کی اور تم میں سے[7] اولی الامر[8] کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو لوٹاؤ اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف،[9] ... [10] اگر تم ہو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان

---

[6] بقول ابن تیمیہ: یہ اور اس سے اگلی آیت سیاسۃ شرعیۃ کی بنیاد ہے۔ دو عظیم اصول اس آیت میں: ایک: اَمانات، جو آگے دو پہلوؤں میں منقسم ہے: ایک عہدے اور ذمہ داریاں۔ دوسرا، اموال اور وسائل۔ اور دوسرا اصل: عدل۔ (جبکہ تیسرا اصل، اگلی آیت میں: اطاعتیں، وفاداریاں)۔ اول کے لیے دیکھئے ہماری تعلیقات میں فصل: [امانات]۔

[7] ملاحظہ ہو ہماری تعلیق: [قرآنی "اولی الامر" صرف اسلامی پیراڈائم میں (مرزا قادیانی کی ایک سنتِ خبیثہ پر انتباہ)]۔

[8] ملاحظہ ہو تعلیق: ["اولی الامر" کی تفسیر (اہل قوت واہل علم)]۔

[9] ملاحظہ ہو تعلیق: [تھیوکریسی اور ڈیموکریسی ہر دو شرک کی نفی]۔

[10] ملاحظہ ہو تعلیق: ["پاس کرنا" نہیں "لوٹانا اللہ اور رسول کی طرف"]۔

رکھنے والے۔[11] یہ بہت بہتر[12] اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔[13]

چنانچہ یہاں ایمان والوں کو اللہ، رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا، اُسی طرح جس طرح ان کو حکم دیا کہ امانتیں ان کے حق داروں کے سپرد کرو یا یہ حکم دیا کہ جب بھی لوگوں کے مابین فیصلہ کرو عدل کے ساتھ کرو۔ یا یہ حکم دیا کہ جب بھی آپس میں نزاع کرو تو معاملے کو اللہ اور رسولؐ کی جانب لوٹادو۔

"اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانا"... کس طرح؟

علماء اس کی تفسیر میں کہتے ہیں: معاملے کو اللہ کی طرف لوٹانا یہ کہ: اُس کی کتاب کی طرف لوٹایا جائے، اور رسولؐ کی جانب آپؐ کی وفات کے بعد لوٹانا یہ کہ: آپؐ کی سنت کی طرف لوٹایا جائے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (البقرۃ:213)

لوگ دراصل ایک ہی گروہ تھے، اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں، تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ فرمادے۔[14] اور اختلاف اس میں صرف ان ہی لوگوں نے کیا

---

[11] ملاحظہ ہو تعلیق: ["ایمانی" نہ کہ محض 'سیاسی' آئین]۔

[12] ملاحظہ ہو تعلیق: ["جماعت" کا اسلامی تصور اور ہیومن اسٹ جاہلیت]۔

[13] ملاحظہ ہو تعلیق: [اہل سنت کا "ایمان" نہ کہ معتزلہ کا]۔

[14] ملاحظہ ہو ہماری تعلیق: ["کتاب"... "اختلاف" کو ختم اور "جماعت" کو قائم کروانے والی]۔

جنہیں وہ کتاب دی گئی تھی، اپنے پاس دلائل آجانے کے بعد، محض آپس کے بغی (زیادتی) کی وجہ سے۔ سو اس اختلاف میں بھی اللہ پاک نے ایمان والوں کی رہ نمائی حق کی طرف اپنی مشیئت سے فرمادی۔ اور اللہ جس کو چاہے سیدھی راہ کی طرف رہ نمائی کرتا ہے۔

چنانچہ "اپنی اتاری ہوئی کتاب" کو اللہ نے یہ حیثیت دے دی کہ انسانوں کے مابین جو بھی اختلافات اور نزاعات پائے جائیں ان کا فیصلہ یہ کتاب ہی کرے۔

وَفِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ وَغَيْرِهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا قَامَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ يَقُولُ: اللَّهُمَّ رَبَّ جبرائيل وميكائيل وَإِسْرَافِيلَ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِك فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ: اهْدِنِي لِمَا اُخْتُلِفَ فِيهِ مِنْ الْحَقِّ بِإِذْنِك؛ إنَّك تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيم (صحيح مسلم رقم 770)

صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں عائشہ سے مروی آتا ہے، کہ نبی ﷺ جب رات کے قیام میں نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو گویا ہوتے:

اے اللہ! جبریل، میکائیل اور اسرافیل کے رب! اے آسمانوں اور زمین کو وجود بخشنے والے! اے وہ ذات جو غیب اور شہادت کی خبر رکھتی ہے! تو ہی فیصلہ فرمانے والا ہے اپنے بندوں کے بیچ اُن سب امور کا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے۔ ہدایت بخش مجھے اس حق کی جس کی بابت یہاں اختلاف ہوتا رہا۔ بے شک تو ہی ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی۔

"اللہ" اور "رسول" کے بعد ایک تیسری وفاداری:

فِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ عَنْ تَمِيمٍ الداري قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الدِّينُ النَّصِيحَةُ الدِّينُ النَّصِيحَةُ الدِّينُ النَّصِيحَةُ قَالُوا: لِمَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ:

لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ (صحيح مسلم رقم 95)

صحیح مسلم میں تمیم داری سے مروی ہوا، کہا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: دین ہے مخلص رہنا۔ دین ہے مخلص رہنا۔ دین ہے مخلص رہنا۔[15] عرض کی گئی: مخلص کس کا، اے اللہ کے رسول؟ فرمایا: مخلص اللہ کا، اس کی کتاب کا، اس کے رسول کا، مسلمانوں کے ائمہ کا اور عامۃ المسلمین کا۔[16]

وَفِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ أَيْضًا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إنَّ اللَّهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا: أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا[17] وَأَنْ تناصحوا مَنْ وَلَّاهُ اللَّهُ أَمْرَكُمْ (صحيح مسلم رقم 1715)

صحیح مسلم ہی میں ابو ہریرہ سے مروی ہوا، کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ کو تمہارے لیے تین باتیں پسند ہیں: یہ کہ تم اس کی عبادت کرو بغیر اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک کئے۔ اور یہ کہ سب مل کر اللہ کی رسی سے چمٹ جاؤ اور آپس میں تفرقہ نہ کرو۔ اور یہ کہ جن لوگوں کو اللہ نے تمہارا حکمران بنایا ہے ان کے وفادار و خیر خواہ رہو۔

وَفِي السُّنَنِ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: نَضَّرَ اللَّهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا فَبَلَّغَهُ إلَى مَنْ لَمْ يَسْمَعْهُ فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيهٍ. ثَلَاثٌ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ

---

[15] دیکھئے تعلیق: ["آسمانی شریعت نہ کہ سوشل کونٹریکٹ"]۔ مع چار ذیلی مبحث: [(الجماعۃ بہ موازنہ ماڈرن سٹیٹ)]۔

[16] ملاحظہ فرمایئے ہماری تعلیق: [مسلمان کی "وفاداریاں"]۔

[17] اوپر ابو ہریرہؓ اور یہاں ابن مسعودؓ و زید بن ثابتؓ والی حدیثوں کو ملا کر پڑھیں تو آیت وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعاً کی تفسیر "جماعۃ المسلمین کو لازم پکڑنا" بنتی ہے، اس پر ملاحظہ فرمایئے ہماری تعلیقات، فصل: ["الجماعۃ": وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعاً]۔

مُسْلِمٍ: إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلَّهِ وَمُنَاصَحَةُ وُلَاةِ الْأُمُورِ وَلُزُومُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ[18]؛ فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ تُحِيطُ مِنْ وَرَائِهِمْ

(أحمد 13350، ابن ماجة 3056، صححه الالبانی عن زید بن ثابت)

سنن کی کتابوں میں عبد اللہ بن مسعود نیز زید بن ثابت سے روایت آتی ہے، کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو شاداب کرے جو ہم سے کوئی بات سنے پھر اسے اُن تک پہنچادے جنہوں نے وہ نہیں سنی؛ کیونکہ کتنے ہی ایسے ہیں جو ایک سمجھ کی بات کو اس شخص تک پہنچادیتے ہیں جو سمجھ میں ان سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ اور کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو سمجھ کی بات محفوظ تو رکھتے ہیں مگر خود سمجھ میں گہرے نہیں ہوتے۔ تین باتیں ایسی ہیں کہ مسلمان ان کے معاملہ میں دل کا پاپی نہیں ہو سکتا: عمل کو خالص اللہ کے لیے کرنا۔ اولیاء الامور کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی

---

[18] پیچھے حدیث ابوہریرہؓ میں جو بات: وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا کے الفاظ سے آئی وہی بات اِس (عبداللہ بن مسعودؓ و زید بن ثابتؓ والی) حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ آگئی: وَلُزُومُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ۔ اب لامحالہ کسی امتی سے نہیں خود نبی ﷺ سے ہی یہ ثابت ہو گیا کہ "وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعاً" کی تفسیر "جماعۃ المسلمین کو لازم پکڑنا" ہے نہ کہ {'سبھی کا' اپنے اپنے طور پر قرآن مجید سے تعلق قائم کرنا (جس پر آلِ وحید الدین خان کا پورا تصورِ دین کھڑا ہے)}۔ اس پر دیکھئے تعلیقات میں فصل [وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعاً کی تفسیر: "الجماعۃ"] کے تحت مبحث: ["جَمِيعاً کی دلالت"]۔ نیز فصل ["جبر" ایک انسانی ضرورت اور صلاح و فساد کا میدان: جماعۃ المسلمین بمقابلہ ماڈرن سٹیٹ] میں مبحث: ["ڈیڑھ ارب امت کو فرد فرد دیکھنے کا خواہشمند دبستان"]۔

اِس حدیث میں اخلاصِ عمل اور قلب کی سلامتی کو "لزوم جماعۃ المسلمین" (مسلمانوں کی وحدت سے وابستہ رہنے) کے ساتھ جوڑا گیا ہے، اس پر امام ابن قیمؒ کا کلام دیکھنے کے لیے تعلیقات میں فصل [جماعت.. قلب کی سلامتی، ایمان کی فصیل]۔

جماعت سے وابستگی؛ کیونکہ مسلمانوں کا بول ان کی پشت سے محیط ہے"۔[19]

حدیث میں لفظ "یغِلُّ" آیا ہے۔ جو دل کے خائن ہونے یا کینہ اور کدورت رکھنے کا معنٰی دیتا ہے۔ مراد یہ کہ جو آدمی ان تین امور کا پابند ہے اس کا دل اس خیانت اور کینہ پروری کا محل نہیں رہتا۔ غور کریں تو یہ تین چیزیں جو اِس حدیث میں آئیں عین وہی ہیں جو اس سے اوپر کی حدیث میں مذکور ہوئیں اور جس میں آتا ہے کہ یہ تین چیزیں اللہ کو مسلمانوں کے لیے خاص طور پر پسند ہیں۔ یعنی: اللہ کی عبادت کرو اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک کیے بغیر، سب مل کر اس کی رسی سے چمٹ جاؤ اور تفرقہ نہ کرو، اور مسلمانوں کے اولیاء الامور کا خیر خواہ اور وفادار رہو۔ کیونکہ اگر اللہ کو ہمارے لیے یہ باتیں خاص طور پر پسند ہیں تو یہ نہیں ہو سکتا کہ مومن جو کہ ایسی اشیاء کو لازماً پسند کرے گا جو اللہ کو پسند ہوں، ان اشیاء کے معاملہ میں دل کا پاپی ہو یعنی وہ ان فرائض کی بابت بغض اور کدورت رکھے اور دین کے ان خصوصی فرائض سے متنفر ہو۔ مومن کا دل تو لازماً ان باتوں سے محبت کرے گا اور ان پر راضی برضا رہے گا۔

(تیسری اطاعت میں): سمع و طاعت کا وجوب (اور اس کی کچھ حدود)

وَفِي صَحِيحِ الْبُخَارِيِّ وَمُسْلِمٍ وَغَيْرِهِمَا عَنْ عبادة بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: بَايَعَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ؛ وَعَلَى أُثْرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلَى أَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ وَعَلَى أَنْ نَقُولَ أَوْ نَقُومَ بِالْحَقِّ أَيْنَمَا كُنَّا؛ لَا نَخَافُ فِي اللَّهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔
(صحيح البخاری 7199، صحيح مسلم 1709)

صحیحین و دیگر کتبِ حدیث میں عبادہ بن الصامت سے روایت ہوئی، کہا:

---

[19] "پشت سے محیط ہونا" کی شرح از ابن عبدالبرؒ، قرطبیؒ و ابن القیمؒ: تعلیقات میں فصل [جماعت.. قلب کی سلامتی، ایمان کی فصیل]۔

رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیعت لی اس پر کہ: ہم سمع اور اطاعت کریں گے چاہے تنگی ہو یا آسانی، دل مانتا ہو یا نہ مانتا ہو، اور اگرچہ ہمارے ساتھ امتیازی سلوک کیوں نہ ہوتا ہو۔ اور یہ کہ ہم اصحابِ اختیار کے ساتھ اختیار پر نہ الجھیں گے۔ اور یہ کہ ہم حق کہیں گے (یا فرمایا کہ) حق پر پورا اتریں گے چاہے جہاں بھی ہوں، اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہ کریں گے۔

وَفِي الصَّحِيحَيْنِ أَيْضًا عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ؛ إلَّا أَنْ يُؤْمَرَ بِمَعْصِيَةِ فَإِنْ أُمِرَ بِمَعْصِيَةِ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ۔ (البخاری 7144، مسلم 1839)

صحیحین ہی میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مسلمان آدمی پر فرض ہے سمع واطاعت، چاہے کوئی بات اس کی پسند کی ہو یا ناپسند کی، ہاں سوائے جہاں اس کو (امیر کی طرف سے) گناہ پر مبنی حکم دیا جائے۔ پس جب اسے گناہ پر مبنی حکم دیا جائے اس وقت کوئی سمع واطاعت نہیں۔

وَفِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَيْك بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي عُسْرِك وَيُسْرِك وَمَنْشَطِك وَمَكْرَهِك وَأُثْرَةٍ عَلَيْك (مسلم رقم 1836)

صحیح مسلم میں ابوہریرہ سے روایت ہے، کہا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: سمع اور اطاعت کو لازم پکڑو چاہے تنگی ہو چاہے آسانی، چاہے دل مانتا ہو چاہے نہ مانتا ہو، اور اس حال میں بھی جب تجھ پر کسی کو ترجیح دی جائے۔

اوپر ابوہریرہ کی حدیث میں اور اس سے پہلے عبادۃ بن الصامت کی حدیث میں "أَثَرَةٌ" کا لفظ آتا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ اگر امراء تم پر کسی اور کو ناحق ترجیح دیں، یعنی تمہارے ساتھ زیادتی و ناانصافی ہو اور تمہاری حق تلفی ہو تو بھی سمع اور اطاعت کی روش پر

ہی قائم رہنا۔[20] جیسا کہ:

فِي الصَّحِيحَيْنِ عَنْ أسيد بْنِ حضير رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا مِنْ الْأَنْصَارِ خَلَا بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَلَا تَسْتَعْمِلُنِي كَمَا اسْتَعْمَلْت فُلَانًا؟ فَقَالَ: إنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِي أُثْرَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي عَلَى الْحَوْضِ۔ (البخاری 3792، مسلم 1845)

صحیحین میں اسید بن حضیر سے روایت ہے، کہ انصار کا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ علیحدگی میں ملا اور آپؐ سے عرض کی: جس طرح آپ نے فلاں آدمی کو ذمہ داری دی کیا مجھے بھی کوئی ذمہ داری نہیں دیتے؟ آپؐ نے فرمایا: تم کو میرے بعد ایک ترجیحی سلوک دیکھنے کو ملے گا، پس صبر کیے رہنا یہاں تک کہ مجھ سے حوض پر ہی آملو۔

اور یہ وہی بات ہے جو عبداللہ بن مسعود کی حدیث میں آئی:

فِي الصَّحِيحَيْنِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُول اللَّهِ ﷺ إنَّهَا تَكُونُ بَعْدِي أُثْرَةٌ وَأُمُورٌ تُنْكِرُونَهَا قَالُوا: يَا رَسُول اللَّهِ كَيْفَ تَأْمُرُ مَنْ أَدْرَكَ مِنَّا ذَلِكَ؟ قَالَ؟ تُؤَدُّونَ الْحَقَّ الَّذِي عَلَيْكُمْ وَتَسْأَلُونَ اللَّهَ الَّذِي لَكُمْ۔

(البخاری 3603 مسلم 1843)

صحیحین میں روایت عبداللہ بن مسعود سے، کہا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

---

20 'باہمی ظلم وزیادتی' ایسی چیز ہے کہ نہ گھروں کا معاملہ اس سے بچا ہوتا ہے، نہ اداروں کا، نہ ملکوں کا۔ تو پھر خلافت ایسی عالمی ایمپائر میں اس کا امکان کیوں نہ ہوگا؟! نبی ﷺ نے اس کو "اثرۃ" کے تحت بھی بیان فرمایا ہے اور کچھ دوسرے مضامین کے تحت بھی۔

اس پر دیکھئے ہماری تعلیق، فصل: [داخلی زیادتیوں کے ساتھ معاملہ کیسے]؟

میرے بعد امتیازی سلوک ہونے لگے گا اور ایسے امور جن کو تم برا جانو۔ صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! جو شخص وہ زمانہ پائے اُس کے لیے آپ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: تم پر جو حق ہو وہ ادا کرتے رہنا اور جو تمہارا حق بنتا ہو وہ اللہ سے مانگنا۔

وَفِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ عَنْ وَائِلِ بْنِ حجر قَالَ سَأَلَ سَلَمَةُ بْنُ يَزِيدَ الجعفي رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إنْ قَامَتْ عَلَيْنَا أُمَرَاءُ يَسْأَلُونَنَا حَقَّهُمْ وَيَمْنَعُونَا حَقَّنَا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ فَأَعْرَضَ عَنْهُ؛ ثُمَّ سَأَلَهُ فَأَعْرَضَ؛ ثُمَّ سَأَلَهُ فِي الثَّانِيَةِ أَوْ فِي الثَّالِثَةِ فَجَذَبَهُ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ قَالَ؛ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا؛ فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوا وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ۔ (صحيح مسلم رقم 1846)

صحیح مسلم میں وائل بن حجر سے روایت، کہا: ایک بار سلمہ بن یزید جعفی نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، بولے: اے اللہ کے رسول! اگر ہم پر ایسے اُمراء مقرر ہو جائیں جو ہم سے تو اپنا حق مانگیں مگر ہمیں ہمارا حق نہ دیں، تو آپ کا کیا حکم ہے؟ تب رسول اللہ ﷺ نے اس سے اعراض کیا۔ اُس نے پھر پوچھا، آپؐ نے اعراض کیا۔ اُس نے پھر دوسری یا تیسری بار پوچھا، جس پر اشعث بن قیس نے اس کو کھینچا۔ کہا: تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سمع اور اطاعت ہی کرنا؛ کیونکہ وہ اپنی ذمہ داریوں کے جوابدہ ہوں گے اور تم اپنی ذمہ داریوں کے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اور اُس کے رسول ﷺ نے اولیاء الامور کا فرماں بردار اور وفادار و خیر خواہ رہنے کا جو حکم دیا ہے، وہ مسلمان پر واجب ہے، اگرچہ وہ اس کے ساتھ امتیازی سلوک ہی کیوں نہ کریں۔ اسی طرح اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے اولیاء الامور کی نافرمانی سے جو منع فرمایا ہے، وہ اس پر حرام ہے اگرچہ وہ اس پر مجبور کیوں نہ کیا جائے۔

جماعت (بندھن)، اطاعت، پابندی، وفاداری

شرع کا عائد کردہ، نہ کہ انسانوں کا کیا سمجھوتہ[21]

امراء کی اطاعت و مناصحت واجب، اگرچہ اس پر "پیمان" نہ بھی ہوا ہو

---

[21] یہاں پورا ایک مبحث ہے جو ایک آسمانی ہدایت پر قائم معاشرے اور ایک خدا آزاد ("لا مولیٰ لھم") معاشرے کے کانٹے جدا کرتا ہے: آسمانی معاشرے کا پل پل حوالہ: "شرع"۔ جبکہ خدا آزاد معاشرے کا پل پل حوالہ: "وضع"، جس کی انتہا دورِ حاضر کا نام نہاد constitutionalism۔ "حقوق"، "اطاعت" اور "ذمہ داریوں" کے حوالہ سے جدید جاہلیت کے "سوشل کونٹریکٹ" کے ابطال میں ہماری راہ نمائی کرنے کو، اس فصل میں ابن تیمیہؒ کی تقریرات کے اندر کچھ نہایت بنیادی باتیں آگئی ہیں۔ ابھی کتاب (اسی ابن تیمیہ کے متن) کے آخر میں ایک فصل ["بھائی وال" ہونے متعلق کچھ شرعی احکام] میں اس مبحث کی کچھ بنیادیں "ظہار" اور "تبنی" وغیرہ کو رد ٹھہرانے، بھائی چارے کے متعلق انسانی سمجھوتوں کو — جہاں وہ شریعت کے مطابق ہوں — وہاں بھی اصل حوالہ نہ ماننے، نیز لین دین، تجارت کاروبار، رشتوں ناتوں، بیعتِ طریقت کی عبارتوں، سیاسی و آئینی سمجھوتوں، پنچایت و جرگہ کے فیصلوں وغیرہ وغیرہ میں انسانوں کی رکھی گئی شرطوں کا خود بخود subject to Shariah رہنے "چاہے وہ سو شرطیں کیوں نہ ہوں"، کے ضمن میں بھی آئیں گی۔ ان سب نکات کو جوڑ کر آپ دورِ حاضر کے سماجیات میں ["شرعِ آسمانی" (رشتوں، بندھنوں، وابستگیوں، وفاداریوں اور پابندیوں کا status دین سے لینے)] اور ["استقلالِ انسانی" (اشیاء کو طے کرنے کے موضوع پر انسان کو مستقل بالذات حوالہ ماننے)] کے اس تقابل کا ایک پورا اسکیچ بنا سکتے ہیں۔

اجتماع (بندھن) کے امور.. نماز روزہ کی طرح "شرع" کے عائد کردہ!

اولی الامر کی اطاعت اور وفاداری میں رہنا جس کا اللہ اور اس کے رسولؐ نے باقاعدہ حکم فرما رکھا ہے، انسان پر واجب ہے؛ اگرچہ اولی الامر کے ساتھ اس پر آدمی کا کوئی عہد و پیمان نہ بھی ہو اور طرفین کے مابین اس پر کوئی حلف برداری نہ بھی ہوئی ہو۔ عین جس طرح آدمی پر پنج وقتہ نماز فرض ہے، زکات فرض ہے، روزہ اور خانہ کعبہ کا حج فرض ہے، یا اسی طرح کے دیگر امور جن کا اللہ اور اس کے رسولؐ نے حکم دے رکھا ہے۔ چنانچہ آدمی اگر اس پر کوئی عہد یا حلف بھی اٹھالے تو وہ ایک ایسی چیز کی صرف تاکید کو بڑھائے گا جس کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے پہلے سے فرض ٹھہرا رکھا ہے یعنی اولی الامر کی اطاعت اور مناصحت۔

چنانچہ آدمی نے اگر ان امور پر کوئی حلف اٹھایا ہو تو بے شک اس کے لیے جائز نہیں رہتا کہ وہ اپنے حلف کی خلاف ورزی کرے، چاہے اس نے اللہ کے نام پر یہ حلف اٹھایا ہو یا اس حلف کا کوئی اور انداز اختیار کیا ہو جو مسلمانوں کے ہاں معروف ہے۔ اولی الامر کی جو اطاعت اور مناصحت (خیر خواہی اور وفاداری) اللہ نے فرض کر رکھی ہے وہ فرض ہے اگرچہ اس پر کوئی حلف برداری نہ ہوئی ہو؛[22] اور اگر حلف اٹھایا ہو پھر تو اور بھی ضروری ہوا۔[23] اسی طرح اولی الامر کی نافرمانی اور ان سے خیانت کا مرتکب ہونا جسے اللہ اور رسولؐ نے ممنوع ٹھہرا

---

22 دیکھئے ہماری تعلیق بعنوان: [ابن تیمیہ کا بیان... سوشل کونٹریکٹ کا ابطال]۔

23 "الجماعۃ" میں حلف برداری یا آئین نویسی کی کیا حیثیت ہے، اس کا بھی تعین ہو گیا۔ وضاحت کے لیے ملاحظہ فرمائیے تعلیق [شریعت بذاتِ خود دستور ہے]۔ نیز [آئین پرستی constitutionalism شجرِ ہیومنزم کی ایک ڈالی ہے]۔

رکھا ہے، حرام ہے؛ اگرچہ ان کے مابین اس پر حلف برداری نہ بھی ہوئی ہو۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے آدمی یہ حلف اٹھائے کہ وہ لازماً پنج وقتہ نماز ادا کرے گا، رمضان کے روزے رکھے گا، یا یہ کہ وہ اپنی ذمہ داریاں نبھائے گا، یا حق بات کی شہادت دے گا، تو یہ بات انسان پر ویسے ہی واجب ہے اگرچہ اس نے یہ حلف نہ اٹھایا ہو؛ ہاں اگر حلف اٹھایا پھر تو اور بھی ضروری ہے۔ اسی طرح وہ باتیں جن سے اللہ اور اس کے رسولؐ نے منع فرمایا ہے مانند شرک، جھوٹ، شراب خوری، ظلم، بے حیائی کے کام، اولی الامر کے ساتھ خیانت اور ان کی اس اطاعت سے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے خروج کر لینا وغیرہ... تو یہ اشیاء حرام ہیں، اگرچہ ان سے مجتنب رہنے کا حلف آدمی نے نہ بھی اٹھایا ہو؛ ہاں اگر حلف اٹھایا ہو پھر تو اس کی سنگینی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

حلف بردار بھی یہاں اپنے حلف کو ختم کرنے کا مجاز نہیں

بنا بریں، جس شخص نے اللہ اور رسولؐ کے حکم کردہ کسی نیک کام کا حلف اٹھایا ہو مانند امراء کی اطاعت و خیر خواہی، نماز، زکاۃ، روزہ یا ادائے امانت وغیرہ: تو کسی مفتی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اسے اپنے حلف کی خلاف ورزی کر لینے اور اپنی قسم توڑ لینے کا فتویٰ دے۔[24] نہ خود اس شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کے لیے فتویٰ لیتا پھرے۔ ایسے

---

[24] یہ دورِ ماضی کے اُن مفتیان کا ذکر ہے جو اطاعتِ امیر کو خدائی فرض کے طور پر لینے کی بجائے اس طرح لیتے گویا یہ آدمی کے اپنے طے کرنے کی چیز ہے۔ عموماً یہ ہوتا کہ ایک حاکم کے لیے لوگوں سے عہد و پیمان اور حلف لیے جاتے۔ پھر جب اُس سے وفادار رہنے کے معاملہ میں آدمی کا ارادہ بدلتا تو مفتی حضرات اس مسئلہ کو حلف (قسم) توڑنے کے باب سے ہی زیر بحث لاتے۔ ظاہر ہے اس مسئلہ کو اگر حلف کے باب میں ہی دیکھیں گے پھر تو صرف قسم توڑنے کا کفارہ ہے، وہ ادا کرو اور اپنے حلف

شخص کو جو آدمی فتویٰ دے کہ وہ اپنے حلف کی خلاف ورزی کرلے یا اپنی قسم توڑ لے، وہ اللہ پر جھوٹ باندھنے والا اور دین اسلام کے بر خلاف فتویٰ دینے والا ہے۔ حق یہ ہے کہ ایسا مفتی اگر ایک عام آدمی کو جس نے تجارت کے کسی سودے یا نکاح یا اجارہ یا کسی بھی عقد نامے کے اندر باقاعدہ کوئی حلف اٹھایا ہے، جبکہ وہ عقد نامہ ایسا ہے کہ اگر وہ اس پر حلف نہ بھی اٹھاتا تو بھی اس کا پابند ہی ہوتا تاہم جب حلف اٹھا لیا تو وہ اس کا اور بھی پابند ہوا، یہ فتویٰ دے کہ وہ اپنے حلف کی خلاف ورزی کرلے اور اپنی قسم کی پروانہ کرے: تو وہ مفتی اللہ پر جھوٹ باندھنے والا اور دین اسلام کے بر خلاف فتویٰ دینے والا ہوگا۔ تو پھر کیا خیال ہے اگر وہ مفتی اولیاء الامور ہی کے ساتھ مسلمان کے عہد و پیمان کے متعلق ایسا فتویٰ دے! حالانکہ یہ سب سے بڑا عقد نامہ ہے جس کا پابند رہنے کا حکم اللہ رب العزت نے دیا۔

جبری اٹھوایا جانے والا حلف معتبر نہ ہونے کا درست سیاق

اسی طرح جمہور علماء کا قول ہے کہ: ایک شخص سے حالتِ اکراہ (حالتِ مجبوری) میں اٹھوائی گئی قسم منعقد نہیں ہوتی، چاہے وہ اللہ کی قسم ہو یا نذر ہو یا طلاق یا عتاق (غلام کو آزاد کرنا)۔ یہ مذہب ہے امام مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ کا۔ تاہم ولی الامر اگر رعایا کو اپنی اطاعت اور وفاداری کے لیے وہاں مجبور کرے جہاں ان پر اس کی اطاعت و وفاداری واجب ہے، اور

سے سبکدوش ہو جاؤ اور اس کے بعد کسی دوسرے سے عہد و پیمان باندھنے چل دو؛ نہ کوئی گناہ اور نہ شریعت کی خلاف ورزی! اس پر ابن تیمیہؒ متنبہ کرتے ہیں کہ یہ وہ باب نہیں جس میں آدمی صرف حلف اٹھا لینے سے ہی ایک بات کا پابند ہوا ہوتا ہے؛ امیر کی اطاعت تو اس پر خدا کی اپنی عائد کردہ تھی اور حلف کے بغیر بھی فرض تھی؛ اس کو وہ قسم توڑنے کا کفارہ ادا کر کے کیسے ساقط کرلے گا؟ لہٰذا یہ وفاداری کسی صورت تبدیل ہوتی ہی نہیں۔

اس پر ان سے حلف لے: وہاں کسی مفتی کے لیے جائز نہیں کہ وہ رعایا کو اجازت دے کہ وہ اس چیز پر کو ترک کر لیں جس کا اللہ اور رسولؐ کی طرف سے ان کو حکم ہے۔ کوئی مفتی اس بات کا مجاز نہیں کہ وہ لوگوں کو اس معاملہ میں (کفارہ دے کر) اپنی قسمیں توڑ ڈالنے کی چھوٹ دے۔ کیونکہ جو چیز قسم اٹھائے بغیر بھی شریعت میں واجب ہی تھی، قسم سے وہ مزید تقویت پائے گی نہ کہ اپنی اصل حیثیت سے بھی نیچے چلی جائے گی، اگرچہ یہ فرض کیوں نہ کر لیا جائے کہ آدمی اُس چیز پہ (جس کا وہ ویسے ہی از روئے شریعت پابند تھا) قسم اٹھانے مجبور کر دیا گیا تھا۔[25]

ہاں جو شخص یہ کہنا چاہے کہ بعض قَسموں میں مطلق پابندی لازم آئے گی، تاکہ حکمرانوں کے بعض مواقع پر حلف اٹھوانے کی گنجائش نکل آئے، تو اسے کہا جائے گا کہ خود تمہارا موقف مجبوری کی قسم کے متعلق اس کے بر خلاف ہے اور تمہارے اپنے قول کی رو سے مجبوری کی قسم واقع نہیں ہوتی اگرچہ وہ قسم حکمران نے کیوں نہ اٹھوائی ہو۔[26] اسی

---

25 توحید کا ایک نہایت اہم مبحث: خدائی شریعت اور اس پر قائم اولی الامر کی اطاعت پر مسلم معاشرے کو پابند کرنا "جبر" کی جائز صورت ہے، بلکہ واجب۔ یہ جبر ہو گا ضرور، لیکن اسلامی آئین میں یہ جبر "دلیل" اور "حوالہ" نہیں بننے دیا جائے گا۔ اِس جبر (لوگوں کو ایک بات کا پابند ٹھہرانے) کی "دلیل" اور "حوالہ" خود شرعِ آسمانی رہے گی۔ یہی بات اِسے دورِ حاضر کے نام نہاد 'سوشل کونٹریکٹ' سے ممیز کرتی ہے۔ اس سے اگلے پیرا گراف میں جبرِ ناجائز کا ذکر ہو گا۔ البتہ ماڈرن سٹیٹ جس "جبر" پر قائم ہے، وہ نہ صرف ناجائز بلکہ صریح جاہلیت اور شرک ہے۔

26 یہ جبرِ ناجائز کی ایک صورت ہے: امراء اپنے لیے وفاداری کا عہد لیتے وقت لوگوں پر ایسی ایسی قسمیں ڈالتے کہ وہ اُن کے 'قابو' میں رہیں۔ مثلاً یہ کہ اگر میں اپنی وفاداری بدلوں تو میری بیوی کو طلاق!!! یا میرے غلام آزاد!!! یا میری جائیداد کی ملکیت فلاں کے نام منتقل!!! وغیرہ وغیرہ۔

طرح بہت سے حیلوں میں تم جو راستہ اختیار کرتے ہو[27] وہ اس (حکمران کے مجبور کرنے پر اٹھائے جانے والے حلف کو ہر حال میں لازم ٹھہرانے) کے خلاف جاتا ہے، علاوہ اس کے جو اس میں اللہ اور رسولؐ اور اولیاء الامور کی نافرمانی لازم آتی ہے۔

جہاں تک اہل علم و دین اور اہل فضل کا تعلق ہے تو وہ کسی کو — کسی بھی صورت — چھوٹ نہیں دیتے کہ وہ اولی الامر کی نافرمانی، ان سے دھوکہ اور ان پر خروج کر کے خدا کے ایک ممنوعہ کام کا مرتکب ہو؛ اور یہ بات اہل سنت و دیگر کے ہاں قدیم سے لے کر آج تک ایک معروف دستور چلا آتا ہے۔

بیعتِ شرعی[28] کو توڑنے کی سنگینی... خونِ مسلم کی حرمت

جبکہ صحیح حدیث میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

ظاہر ہے اگر انہوں نے بغیر کسی جبر کے یہ قسم اٹھائی ہوتی تو اُس حکمران کا وفادار نہ رہنے کی صورت میں طلاق، یا غلام آزاد یا جائیداد کا انتقالِ ملکیت بالفعل واقع ہو جاتا۔ لیکن اگر کسی نے مجبور کر کے ان سے یہ کہلوایا تھا تو یہ ناجائز ہے بلکہ جمہور کے نزدیک ایسا حلف سرے سے منعقد نہ ہو گا۔

"جبر" سے متعلق اِس پورے مبحث پر دیکھئے ہماری تعلیقات میں:

1. ریاست ایک "جبر" یا 'دھونس'؟ جماعۃ المسلمین بموازنہ ماڈرن سٹیٹ
2. انتظامی اور تشکیلی جبر؛ جماعۃ المسلمین بموازنہ ماڈرن سٹیٹ
3. جبر ایک انسانی ضرورت اور صلاح و فساد کا ایک اہم میدان؛ الجماعۃ بموازنہ سٹیٹ

[27] یعنی پہلے وہ ایسی ظالمانہ قسمیں ڈالنے کو روا کرتے، پھر ان سے نکلنے کے لیے حیلے تراشتے۔

[28] ہمارا ایک طبقہ "جماعۃ المسلمین" کی لغت میں پائی جانے والی "بیعت" اور 'ماڈرن سٹیٹ' کے ہاں پائے جانے والا 'ووٹ'... کو بری طرح خلط کرتا ہے۔ اِس پر دیکھئے ہماری تعلیقات فصل ['ووٹ' اور "بیعت" ایک ہی چیز!؟]

يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ اسْتِهِ بِقَدْرِ غَدْرِهِ۔

(صحيح مسلم رقم 1738)

قیامت کے روز ہر غدر کرنے والے کی دبر پر ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا۔

پھر عبد اللہ بن عمر نے کہا: سب سے بڑا غدر تو وہ ہے جو امام المسلمین کے ساتھ کیا جائے۔ یہ حدیث عبد اللہ بن عمر نے اس وقت بیان کی جب اہل مدینہ کے کچھ لوگ اپنے ولی الامر کی اطاعت سے خروج کرنے لگے تھے اور اس کی بیعت توڑنے جا رہے تھے۔

وَفِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ عَنْ نَافِعٍ قَالَ: جَاءَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُطِيعٍ حِينَ كَانَ مِنْ أَمْرِ الْحَرَّةِ مَا كَانَ؛ زَمَنَ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ؛ فَقَالَ: اطْرَحُوا لِأَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ وِسَادَةً. فَقَالَ: إِنِّي لَمْ آتِك لِأَجْلِسَ أَتَيْتُك لِأُحَدِّثَك حَدِيثًا؛ سَمِعْت رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ خَلَعَ يَدًا لَقِيَ اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا حُجَّةَ لَهُ؛ وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً.

(صحيح مسلم، رقم 1851)

صحیح مسلم میں نافع سے روایت ہے، کہا: عبد اللہ بن عمر عبد اللہ بن مطیع کے ہاں تشریف لائے جس وقت حرہ کا واقعہ ہونے جا رہا تھا، یزید بن معاویہ کے دور میں۔ تب عبد اللہ بن مطیع بولا: ابو عبد الرحمن (عبد اللہ بن عمر) کے لیے تکیہ پیش کرو۔ تو عبد اللہ نے فرمایا: میں تمہارے یہاں بیٹھنے نہیں آیا، میں تو تمہیں ایک حدیث سنانے آیا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن رکھی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے (اطاعت اور وفاداری سے) اپنا ہاتھ کھینچا وہ قیامت کے روز اللہ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ پیش کرنے کو کوئی حجت اپنے پاس نہ رکھے گا۔ اور جو شخص ایسی حالت میں مرا کہ اس کی گردن میں کوئی بیعت نہ ہوئی، وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

وَفِي الصَّحِيحَيْنِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ عَلَيْهِ؛ فَإِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِنْ النَّاسِ يَخْرُجُ مِنْ السُّلْطَانِ شِبْرًا فَمَاتَ عَلَيْهِ إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً۔

(البخاری 7053 مسلم 1854)

صحیحین میں عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے، کہا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: جس نے اپنے امیر سے کوئی ایسی چیز دیکھی جو اسے ناگوار لگتی ہے تو اسے چاہئے کہ صبر ہی کرے۔ کیونکہ جو شخص سلطنتِ (اسلامی) سے ایک بالشت بھی نکلتا ہے پھر اسی حالت میں مر جاتا ہے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔

وَفِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: مَنْ خَرَجَ مِنْ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ؛ فَمَاتَ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً؛ وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عُمِيَّةٍ؛ يَغْضَبُ لِعَصَبَيَّةِ، أَوْ يَدْعُو إلَى عَصَبَيَّةٍ؛ أَوْ يَنْصُرُ عَصَبَيَّةً فَقُتِلَ فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ ۔ (رقم 1848)

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اطاعت سے نکلا اور جماعت سے مفارقت کر گیا اور اسی حالت میں مرا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اور جس شخص نے کسی اندھیارے پرچم تلے لڑائی کی،[29] یوں کہ وہ کسی عصبیت[30] کے لیے جوش میں آتا، یا عصبیت کی دعوت دیتا، یا عصبیت کی نصرت کرتا، اور اس میں وہ مارا جاتا ہے تو وہ جاہلیت کی موت مارا جاتا ہے۔

وَفِي لَفْظٍ: لَيْسَ مِنْ أُمَّتِي مِنْ خَرَجَ عَلَى أُمَّتِي يَضْرِبُ بَرَّهَا وَفَاجِرَهَا وَلَا

---

[29] حدیث میں مذکورہ رَايَةٍ عُمِيَّةٍ کی شرح کے لیے ملاحظہ فرمائیے تعلیقات میں "نیشنلزم کی حدود اور اس کا حکم"۔

[30] عصبیت کی تعریف خود ایک حدیث میں ہی کر دی گئی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے تعلیق "نیشنلزم کی حدود"۔

يَتَحَاشَى مِنْ مُؤْمِنِهَا وَلَا يُوفِي لِذِي عَهْدِهَا؛ فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْت مِنْهُ۔

(صحيح مسلم رقم 1848)

جبکہ حدیث کے ایک اور الفاظ یہ ہیں: وہ شخص میری امت سے نہیں ہے جو میری امت پر چڑھ دوڑے اور اس کے نیک بد ہر کسی کو موت کے گھاٹ اتارتا پھرے، نہ مومن کو چھوڑنے کا روادار ہو اور نہ معاہد کے عہد کو پورا کرتا ہو۔ نہ وہ مجھ سے ہے اور نہ میں اس سے ہوں۔

ولی الامر کے خلاف خروج کرنے والوں کی اقسام:

یہاں (ابوہریرہ والی حدیث میں)[31]:

1. پہلا شخص وہ ہوا جو والی کی اطاعت سے نکلتا ہے اور جماعت سے مفارقت (علیحدگی) اختیار کر لیتا ہے۔
2. دوسرا، وہ شخص جو عصبیت یا اقتدار کی خاطر لڑتا ہے، نہ کہ اللہ کے راستے میں، جیسا کہ اہل الاھواء لڑتے ہیں، مثلاً قیسی قبائل اور یمنی قبائل کی جنگ۔
3. تیسرا، وہ شخص جو رہزنی کرتا ہے؛ کیا مسلم کیا ذمی، ہر کسی کو مارتا اور اس کا مال قبض کرتا پھرتا ہے، یا جس طرح حروریہ (خوارج) ایسے باغی، جن سے حضرت علی بن ابی طالب نے قتال فرمایا تھا، اور جن کے بارے میں نبی ﷺ کی حدیث ہے:

يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِمْ وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ وَقِرَاءَتَهُ مَعَ قِرَاءَتِهِمْ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنْ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنْ الرَّمِيَّةِ أَيْنَمَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ؛ فَإِنَّ فِي

31 "الجماعۃ" کے خلاف محاذ آرائی کی یہ تین صورتیں ہیں جو حدیث میں بیان ہوئیں: مفارقت۔ عصبیت و فرقہ واریت۔ بغاوت۔ اس پر دیکھئے تعلیق [الجماعۃ کے خلاف محاذ آرائی کی صورتیں]۔

قَتْلِهِمْ أَجْرًا عِنْدَ اللَّهِ لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ[32]

"تم میں سے ایک آدمی اُن (خوارج) کی نماز کے آگے، اپنے روزوں کو اُن کے روزوں کے آگے، اور اپنے قرآن پڑھنے کو اُن کے قرآن پڑھنے کے آگے کمتر جانے گا۔ وہ قرآن پڑھیں گے جو ان کے حلقوں سے آگے نہ جاتا ہوگا۔ وہ اسلام سے یوں نکلے ہوں گے جیسے تیر اپنے شکار کو مار کر نکل جاتا ہے۔ جہاں تمہارا ان کا سامنا ہو ان کو مارو؛ کیونکہ ان کو قتل کرنے والے کے لیے روزِ قیامت اللہ کے ہاں خاص اجر ہے"۔

نبی ﷺ نے ولی الامر کی اطاعت میں رہنے کا حکم دیا ہے اگرچہ حبشی غلام کیوں نہ ہو، جیسا کہ صحیح مسلم میں نبی ﷺ کا حکم ہے:

اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَإِنْ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ۔

سمع واطاعت پر کاربند رہو اگرچہ ایک حبشی غلام جس کا سر منقے جیسا ہو تم پر والی مقرر کیا گیا ہو۔

وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: أَوْصَانِي خَلِيلِي أَنْ اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا؛ وَلَوْ كَانَ حَبَشِيًّا مُجَدَّعَ الْأَطْرَافِ۔

ابو ذر سے روایت ہے، کہا: میرے پیارے ﷺ نے مجھے تلقین فرمائی تھی کہ: "سمع واطاعت کا پابند رہنا، اگرچہ وہ کوئی حبشی غلام ہو جس کے اعضاء کٹے ہوئے ہوں"۔

وَعَنْ الْبُخَارِيِّ: وَلَوْ لِحَبَشِيٍّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ۔

بخاری کی روایت میں: "اگرچہ ایسے حبشی (کی اطاعت کرنی پڑے) جس کا سر

---

32 مؤلفؒ نے متعدد روایات کو شاید یکجا بیان کر دیا۔ الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ یہ حدیث اِن مصادر سے مل سکتی ہے: (بخاری رقم 6163، 3611، مسلم 1064، 1066، ابوداود 4767)

منقے جیسا ہو"۔

بہترین ائمہ اور بدترین ائمہ؟ انکی نافرمانی کب ہوسکتی ہے؟

وَفِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ عَنْ أُمِّ الْحُصَيْنِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بِحَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهُوَ يَقُولُ: وَلَوْ اسْتَعْمَلَ عَبْدًا يَقُودُكُمْ بِكِتَابِ اللَّهِ اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا۔[33]

صحیح مسلم میں ام الحصین سے روایت ہے، کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو حجۃ الوداع میں یہ فرماتے ہوئے سنا: "اگرچہ تم پر ایک غلام کو والی کیوں نہ بنایا گیا ہو جو تم کو کتاب اللہ کے مطابق چلائے، تو سمع واطاعت ہی کرو۔

وَفِي رِوَايَةٍ: عَبْدٌ حَبَشِيٌّ مُجَدَّعٌ۔

ایک روایت میں الفاظ ہیں: نکٹا حبشی غلام کیوں نہ ہو[34]

وَفِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: خِيَارُ أَئِمَّتِكُمْ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمْ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ عِنْدَ ذَلِكَ؟ قَالَ: لَا؛ مَا أَقَامُوا فِيكُمْ

---

[33] یہ ہے "يَقُودُكُمْ بِكِتَابِ اللَّهِ" کی آئینی حیثیت۔ سمع واطاعت۔ وہ کس طرح اقتدار میں آیا، یہ بات اُس کی اطاعت کو ساقط نہیں ٹھہراتی اگر "يَقُودُكُمْ بِكِتَابِ اللَّهِ" کی شرط اُس کے اندر پوری ہوتی ہے۔

"جواز" legitimacy کا مسئلہ قدرے تفصیل کے ساتھ ملاحظہ فرمایئے ہماری ["جوازِ اقتدار اور ہیومنسٹ جاہلیت"] میں۔

[34] یہ حکمران کے غیر مرغوب یا ناپسندیدہ ہونے کی ایک صورت ہے۔ ملاحظہ فرمایئے تعلیق ["جوازِ اقتدار اور ہیومنسٹ جاہلیت"]۔

الصَّلَاةَ۔ لَا؛ مَا أَقَامُوا فِيكُمْ الصَّلَاةَ۔ أَلَا مَنْ وُلِّيَ عَلَيْهِ وَالٍ فَرَآهُ يَأْتِي شَيْئًا مِنْ مَعْصِيَةٍ فَلْيَكْرَهْ مَا يَأْتِي مِنْ مَعْصِيَةِ اللَّهِ وَلَا يَنْزِعَنَّ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ۔

(رقم 1855)

صحیح مسلم میں عوف بن مالک سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمہارے بہترین ائمہ (والی) وہ ہوں گے جو تمہیں محبوب ہوں اور وہ تم ان کو محبوب ہو، تم ان کے لیے دعا گو رہو اور وہ تمہارے لیے دعا گو رہیں۔ جبکہ تمہارے بدترین ائمہ (والی) وہ ہوں گے جو تمہیں مبغوض ہوں[35] اور تم ان کو مبغوض ہو، تم ان پر لعنتیں کرو اور وہ تم پر لعنتیں کریں"۔ ہم نے عرض کی: اگر ایسا وقت آجائے تو کیا ہم تلوار کے ساتھ ان کے مقابلے پر نہ آجائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں، تاوقتیکہ وہ تم میں نماز قائم کیے رکھیں تب تک نہیں۔ نہیں، تاوقتیکہ وہ تم میں نماز قائم کیے رہیں تب تک نہیں۔[36] خبردار! تم

---

35 یہ غیر مرغوب یا ناپسندیدہ ہونے کی دوسری صورت ہے۔ اِس صورت میں بھی اس کی سمع وطاعت واجب ہے۔ 'جمہوری کلچر' کی درآمد سے ہمارے شرعی تصورات کا مسخ کس طرح ہوا، اس پر ملاحظہ فرمایئے تعلیقات، فصل ["جوازِ اقتدار اور ہیومنسٹ جاہلیت"]۔

36 یعنی آپ ﷺ نے دوبار یہ بات فرمائی۔ اس کی شرح میں ملا علی قاری لکھتے ہیں:

قَالَ الطِّيبِيُّ: فِيهِ إِشْعَارٌ بِتَعْظِيمِ أَمْرِ الصَّلَاةِ وَأَنَّ تَرْكَهَا مُوجِبٌ لِنَزْعِ الْيَدِ عَنِ الطَّاعَةِ كَالْكُفْرِ عَلَى مَا سَبَقَ فِي حَدِيثِ عُبَادَةَ: إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا.

(مرقاة: شرح حديث 3670)

"طیبی کہتے ہیں: یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ نماز (قائم کروانے) کا مسئلہ کس قدر عظیم الشان ہے یہاں تک کہ اس کا ترک ہونا (رعایا کے) اطاعت سے ہاتھ کھینچ لینے کا موجب ہو جاتا ہے، یعنی جیسے کفر، جس کا ذکر عبادۃ بن الصامت کی حدیث میں

میں سے جس پر کوئی ایسا والی مقرر ہو اور وہ دیکھے کہ والی خدا کی نافرمانی کا کوئی کام کرتا ہے تو اُسے چاہئے کہ والی کے اُس کام کو جو خدا کی نافرمانی ہے ناپسند ہی جانتا رہے، مگر (اس کی) اطاعت سے ہر گز ہر گز ہاتھ نہ کھینچے"۔

وَفِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللَّهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ. الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا ۔ (رقم 1827)

صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے، کہا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: بے شک انصاف کرنے والے اللہ کے ہاں جا کر، رحمٰن کے داہنے ہاتھ، نور کے چبوتروں پر نشست کریں گے، جبکہ رحمٰن کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلوں کے اندر اور اپنے گھر والوں کے معاملے میں نیز جس جس چیز میں ان کا اختیار ہے، انصاف کرتے ہیں۔[37]

وَفِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: اللَّهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ۔ (رقم 1828)

گزرا کہ "(تم ان سے نہ الجھو) الا یہ کہ کھلا کفر ہی دیکھ لو"

یہ ہے اولی الامر کے، معاشرے میں "نماز قائم کروانے" کی اہمیت۔ سورۂ حج (آیت 41) میں اہل ایمان کا ایک وصف بیان ہوا کہ اگر ان کو زمین میں طاقت ملے تو وہ چار کام انجام دیں، ان میں سب سے پہلی چیز نماز قائم کروانا ہی ہے۔ درحقیقت یہ کوئی چھوٹی بات نہیں کہ حاکم پوری قوم کو نماز کا پابند رکھے ہوئے ہو۔ کسی معاشرے کو بطورِ معاشرہ "نماز" کی سطح پر لے آیا جائے تو وہاں "نیکی" کی فصل خود بخود اتنی وافر ہوتی ہے کہ امت کے کسی بھی صالح پراجیکٹ کو بند ہونے کا اندیشہ نہیں ہوتا۔

37 پیچھے رعایا کے فرائض بحتِ جماعت ذکر ہوئے۔ یہاں سے اولی الامر کے لیے تنبیہات شروع ہوتی ہیں۔

صحیح مسلم میں عائشہ سے روایت ہے، کہ انہوں نے سنا رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے: اے اللہ! جس شخص نے میری امت کے کسی معاملے میں عہدہ دار بن کر ان پر سختی کی تو اُس پر سختی کر۔ اور جس شخص نے میری امت کے کسی معاملہ میں عہدہ دار بن کر ان پر نرمی کی تو اس پر نرمی فرما۔

وَفِي الصَّحِيحَيْنِ عَنْ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ قَالَ عَادَ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ زِيَادٍ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ فَقَالَ لَهُ مَعْقِلٌ: إنِّي مُحَدِّثُك حَدِيثًا سَمِعْته مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ إنِّي سَمِعْت رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللَّهُ رَعِيَّةً يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ إلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔ (البخاری 7150، مسلم 1829)

صحیحین میں حسن بصریؒ سے روایت ہے، کہا:

عبیداللہ بن زیاد صحابیِ رسولؐ معقل بن یسار کی بیماریِ مرگ میں ان کی عیادت کرنے گیا تو حضرت معقل نے زیاد سے کہا: میں تمہیں ایک حدیث سنانے لگا ہوں جسے میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

"جس شخص کو اللہ کسی رعایا کا راعی بنائے اور وہ مرے اس حال میں کہ اپنی رعایا کا حق ادا کرنے میں خائن تھا، اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔

وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: مَا مِنْ أَمِيرٍ يَلِي مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا ثُمَّ لَا يَجْهَدُ لَهُمْ وَيَنْصَحُ إلَّا لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُمْ الْجَنَّةَ۔ (رقم 1829)

مسلم کی ایک روایت میں الفاظ: جو بھی امیر مسلمانوں کے کسی معاملہ کا عہدہ دار بنے اور وہ ان کے لیے اپنی پوری توانائی صرف نہ کر دے اور ان کی خیر خواہی میں پورا زور نہ لگا دے، تو ایسا امیر ان کے ساتھ جنت میں داخل ہونے والا نہیں۔

وَفِي الصَّحِيحَيْنِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلِ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ بَعْلِهَا وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُ. وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔ (البخاری 893، مسلم 1829)

صحیحین میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"خبردار! تم میں سے ہر کوئی راعی ہے اور ہر کوئی اپنی رعیت کی بابت جوابدہ۔ آدمی اپنے اہل خانہ پر راعی ہے اور ان کی بابت جوابدہ۔ عورت اپنے خاوند کے گھر کی راعی ہے اور اس کی بابت جوابدہ۔ غلام اپنے مالک کے مال کا راعی ہے اور اس کی بابت جوابدہ۔ خبردار! تم میں سے ہر کوئی راعی ہے اور اپنی رعیت کی بابت جوابدہ"۔

وَفِي الصَّحِيحَيْنِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ جَيْشًا وَأَمَّرَ

---

[38] یہاں پھر اسی حقیقت کا بیان ہے کہ مسلم معاشرہ ایک واضح آسمانی آئین کی پابند انسانی جماعت ہے۔ نہ جماعت اپنی حد سے تجاوز کرے گی اور نہ فرد اپنی حد سے؛ کہ دونوں "عبد" ہیں، جبکہ یہ حدود خدائے حکیم و علیم کی مقرر کردہ۔ راعی اور رعایا دونوں ایک دوسرے کے معاملہ میں اُس کی شرع کے پابند اور اُس کو جوابدہ؛ نہ کہ آپ اپنی مرضی سے اپنے مابین 'دستور' وضع کرنے کے مجاز۔ ہماری تعلیقات بابت [سوشل کونٹریکٹ] و [آئین پرستی] پیش نظر رہیں تو مذکورہ بالا حدیث پر "الجماعۃ" کا "دین" اپنے وضوح میں کلانکس کو جا پہنچتا ہے۔ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعصِيَةِ الْخَالِقِ میں "مخلوق" کی حیثیت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے خواہ مخلوق 'سادہ اکثریت' ہو یا 'دو تہائی' یا پوری کی پوری!!! "خالق" کے حکم، آئین اور شریعت کے آگے مخلوق صفر ہے۔ توحید کا یہ ایک نہایت اہم مبحث ہے جو مسلم معاشرے کے بچے بچے کو ازبر کرایا جائے گا۔

عَلَيْهِمْ رَجُلًا؛ فَأَوْقَدَ نَارًا فَقَالَ: اُدْخُلُوهَا. فَأَرَادَ النَّاسُ أَنْ يَدْخُلُوهَا وَقَالَ الْآخَرُونَ. إِنَّا فَرَرْنَا مِنْهَا فَذَكَرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ لِلَّذِينَ أَرَادُوا أَنْ يَدْخُلُوهَا: لَوْ دَخَلْتُمُوهَا لَمْ تَزَالُوا فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَقَالَ لِلْآخَرِينَ قَوْلًا حَسَنًا؛ وَقَالَ: لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ؛ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ۔ (البخاری 7557، مسلم 1840)

صحیحین میں علی سے روایت ہے کہ: نبی ﷺ نے ایک لشکر روانہ فرمایا اور اس پر ایک امیر مقرر کیا؛ تب اُس نے آگ کا الاؤ جلایا اور ان کو حکم دیا کہ اس آگ میں کود جائیں۔ کچھ لوگوں نے ارادہ کر بھی لیا کہ کود جائیں۔ کچھ دوسرے لوگ بولے: آگ سے ہی تو ہم بھاگے ہیں۔ تب انہوں نے (واپس آکر) رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے آگ میں کود جانے کا ارادہ کیا تھا فرمایا: اگر وہ اس میں کود جاتے تو قیامت تک اسی میں رہتے۔ دوسرے فریق کو رسول اللہ ﷺ نے شاباش دی، اور فرمایا: "اللہ کی نافرمانی میں (امیر کی) کوئی فرماں برداری (جائز) نہیں۔ اطاعت، صرف معروف کے اندر۔

معبود سے..جماعت

آئینِ عبادت:

فرمایااللہ تعالیٰ نے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ[39] (الذاریات:56)

اور نہیں پیدا کیا میں نے جنوں اور انسانوں کو سوائے اس لیے کہ وہ تنہا میری عبادت کریں۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ[40] (النساء:64)

اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی بھی رسول مگر اس لیے کہ اس کی (مطلق) اطاعت ہو ازروئے حکمِ خداوندی۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ[41] (النساء:80)

جس نے رسول کی اطاعت کی دراصل اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

---

39 یہ مسئلہ "عبادت" اور "معبود" ہی زمین پر "فرمانبرداروں" کے ایک الگ تھلگ کیمپ کی تشکیل کرتا اور دیگر انسانی جماعتوں اور تہذیبوں سے اس کو ممیّز کرتا ہے۔ اس پر دیکھئے فصل: [اللہ کی عبادت پر آنے والا سماج (جماعت) اور اس کی امامت]۔

40 مسئلۂ اطاعت پر دیکھئے ہماری تعلیقات، فصل: ["اطاعت" کا "عبادت" ہونا]۔

41 یہاں سے؛ آئینِ عبادت کل کا کل "رسالت" سے منسلک ہو جاتا ہے۔ دیکھئے تعلیق ["محمدؐ فرقٌ بین الناس"]۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء:65)

نہیں اے محمد! تیرے رب کی قسم! یہ نہیں مومن ہونے کے جب تک یہ تجھے فیصل نہ مان لیں اپنے تمام اختلافات میں، پھر جو تم فیصلہ کر دو اس پر یہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی تک محسوس نہ کریں اور سر تا سر تسلیم نہ ہو جائیں۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ

(آل عمران:31)

کہہ دو! اگر تم اللہ سے محبت رکھنے والے ہو تو میرے تابعدار ہو جاؤ؛[42] خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَ وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَ رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا (الاحزاب:66تا68)

جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے، وہ کہہ رہے ہوں گے: کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کر لی ہوتی اور رسول کی اطاعت کر لی ہوتی۔[43] اور کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی مانی جنہوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا۔ اے ہمارے پروردگار تو انہیں دوگنا عذاب دے اور لعنت فرما ان پر بہت بڑی لعنت۔

---

42 "محمد ﷺ" پر انسانیت کا تقسیم ہونا۔ دیکھئے تعلیق، فصل ["محمدؐ فرقٌ بین الناس"]۔

43 خدا کو ماننے اور پوجنے کے دعویدار سب، مگر خدا کے ہاں قبول دعویٰ صرف ایک فریق کا۔ وقت کے نبی کے کیمپ میں ہونا۔ دیکھئے تعلیق ["محمدؐ فرقٌ بین الناس"]۔

وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا (النساء:69)

اور جو اللہ اور رسول کا مطیع وفرماں بردار رہے تو وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے، جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں۔

چنانچہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت ہر کسی پر واجب ہے۔ جبکہ اولیاء الامور کی اطاعت واجب ہے اس بنیاد پر کہ اللہ نے ان کی اطاعت واجب کی ہے۔[44] پس جس شخص نے اولیاء الامور کی اطاعت کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔

اطاعتِ شرعی... نہ کہ دنیادارانہ اطاعت

رہا وہ شخص جو امراء کی اطاعت صرف اس لیے کرتا ہے کہ انہوں نے اس کو کوئی عہدہ دے رکھا ہے اور اس کا معاوضہ دیتے ہیں؛ یوں کہ اگر معاوضہ چلتا رہے تو یہ ان کی اطاعت کرے گا اور اگر معاوضہ نہ ہو تو یہ ان کا نافرمان ہو رہے گا، تو ایسے شخص کے لیے آخرت میں کوئی بھی حصہ نہیں۔

وَقَدْ رَوَى الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمْ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إلَيْهِمْ؛ وَلَا يُزَكِّيهِمْ؛ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ. رَجُلٌ عَلَى فَضْلِ مَاءٍ بِالْفَلَاةِ يَمْنَعُهُ مِنْ ابْنِ

---

[44] ملاحظہ فرمایئے تعلیقات میں فصل: [اُمرا کے ساتھ صبر اور تعاون... اہل سنت وجماعت کا ایک امتیازی وصف]۔

السَّبِيلِ؛ وَرَجُلٌ بَايَعَ رَجُلًا بِسِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَحَلَفَ لَهُ بِاللَّهِ لَآخِذِهَا بِكَذَا وَكَذَا فَصَدَّقَهُ وَهُوَ غَيْرُ ذَلِكَ وَرَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِدُنْيَا؛ فَإِنْ أَعْطَاهُ مِنْهَا وَفَّى؛ وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ مِنْهَا لَمْ يَفِ۔

بخاری اور مسلم دونوں میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تین آدمیوں کے ساتھ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نہ کلام فرمائے گا اور نہ ان کی جانب دیکھے گا، اور نہ ان کو پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے: ایک وہ آدمی جو کسی بیابان میں اپنے پاس زائد پانی رکھتا ہے لیکن راہ گیر کو پانی لینے سے روک دیتا ہے۔ دوسرا وہ آدمی جو عصر کے بعد کسی آدمی کو سودا بیچتا ہے اور قسم اٹھاتا ہے کہ یہ چیز اس کو اتنے میں پڑی ہے اور وہ اس کا اعتبار کر لیتا ہے جبکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔ تیسرا وہ شخص جو ایک امام (والی) کی بیعت کرتا ہے، جس سے اس کا کوئی مقصد نہیں سوائے دنیا حاصل کرنے کے؛ اگر وہ اس کو نوازے تو وہ بیعت کو پورا کرتا ہے اور اگر نہ نوازے تو پورا نہیں کرتا۔

45

---

45 یہاں وہ بنیادی امور مکمل ہوئے جو "جماعۃ المسلمین" (مسلم سوسائٹی/دارالاسلام/اسلام کا کیمپ/قلمروئے اسلام) کی تشکیل کرتے ہیں۔ اس پر اختتامی تعلیق ملاحظہ فرمایئے: ["جماعت" فرض تو "امامت" خود بخود ضروری]۔

حصۂ دوم

امامت

["جماعت" چونکہ اہلِ اسلام کے یہاں ایک معلوم بر سرِ زمین حقیقت رہی تھی؛ فرق جو بھی آیا وہ "امامت" کی سطح پر۔ حالات کی تمام تر خرابی کے باوجود "جماعت" — یعنی عبادت و رسالت کی بنیاد پر انسانیت کے بیچ لکیر ڈال کر وجود میں آنے والا اسلام (ایک اللہ کی کامل شامل عبادت، محمد ﷺ کے طریقے پر) کا کیمپ — جوں کا توں رہا؛ اور سب کھینچا تانی اس کی "امامت" پر رہی... لہٰذا اسلامی فرقوں میں سے شاید ہی کوئی فرقہ ہو جس نے "امامت" کو موضوع نہ بنایا، اس پر امت کو کوئی بیانیہ نہ دیا، اور اسے اپنے فرقے کے "اصول" میں درج نہ کر رکھا ہو۔ وہ بحثیں اتنی شدید و دور رس رہیں کہ آج بھی ان کی گرمجوشی باقی ہے۔ یہاں تک کہ اسی پر "نئے" کو اپنے اندر سمیٹنے کی فکر ہو رہی ہے۔ بس جو چیز دورِ آخر میں ہم سے اوجھل ہوئی وہ یہ کہ "امامت" — اپنی ان تمام معرکہ آرائیوں کے باوجود — دراصل کسی "جماعت" کی تھی، جو ہر گز محلِ نزاع نہ تھی؛ اور جسے آج کے علمی ڈسکورس "جغرافیہ" سے نکال کر "تاریخ" میں رکھتے چلے جا رہے ہیں!]

مترجم

خلافت میں ملوکیت کی آمیزش، شرعی حکم

قاعدہ بسلسلہ خلافت و ملوکیت:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا.

نبی ﷺ نے فرمایا: [خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ ثَلَاثُونَ سَنَةً؛ ثُمَّ يُؤْتِي اللَّهُ مُلْكَهُ – أَوْ الْمُلْكَ – مَنْ يَشَاءُ" خلافتِ نبوت (نبوت کی جانشینی) تیس سال رہے گی۔ اس کے بعد اللہ اپنی بادشاہت جسے چاہے گا دے گا"] ابو داؤد کے لفظ بروایت عبدالوارث و عوام بن حوشب: [تَكُونُ الْخِلَافَةُ ثَلَاثِينَ عَامًا ثُمَّ يَكُونُ الْمُلْكُ "خلافت (نبوت کی جانشینی) تیس سال رہے گی پھر وہ بادشاہت بن جائے گی"][تَكُونُ الْخِلَافَةُ ثَلَاثِينَ سَنَةً ثُمَّ تَصِيرُ مُلْكًا "خلافت تیس برس ہو گی پھر وہ بادشاہت ہو رہے گی"]۔

صرف کچھ بدعتی ٹولے ہیں جو علیؓ کا چوتھا نمبر نہیں مانتے

مذکورہ بالا نص ایک مشہور حدیث ہے جو کہ حماد بن سلمہ، عبدالوارث بن سعید اور عوام بن حوشب وغیرہ سے بطریق سعید بن جمہان، رسول اللہ ﷺ کے مولیٰ سفینہؓ سے روایت ہے[46] اور ابو داؤد ایسی سنن و دیگر کتب میں وارد ہوئی ہے۔ امام احمدؒ نے چاروں خلفاء کی

[46] "خلافتِ نبوت تیس سال" ہونا اور بعد ازاں خلافت کا اپنی اُس اصل حالت پر نہ رہ پانا جماہیر ائمۂ سنت کا بیانیہ ہے۔ "چار خلفاء" کو مسلمانوں کے ہاں جو حیثیت حاصل ہے، جیسا کہ ابن تیمیہؒ کے یہاں

خلافت ثابت کرتے ہوئے اسی حدیث کو بنیاد بنایا ہے۔ امام احمدؒ نے اس حدیث کا اثبات فرمایا اور اس سے اُن لوگوں کے موقف کو غلط ثابت کرنے پر استدلال فرمایا جو حضرت علیؓ کی خلافت کو ماننے میں اس بنا پر توقف کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت پر لوگ جمع نہ ہو پائے تھے۔ (اس حدیث کو بنیاد بنا کر) امام احمدؒ فرماتے ہیں: جو شخص علیؓ کا چوتھا نمبر نہیں مانتا وہ اپنے گھر کے گدھے سے زیادہ جاہل آدمی ہے۔ نیز امام احمد نے ایسے شخص کے ساتھ رشتہ ناطہ کرنے سے ممانعت فرمائی۔

یہ امر (یعنی چاروں اصحابؓ کی خلافت کا ثابت ہونا) متفق علیہ ہے فقہاء، علمائے سنت، اہل معرفت اور اہل تصوف سب کے ہاں۔ اور یہی عامۃ المسلمین کا مذہب۔ ان کے مخالف رائے اس مسئلہ کے اندر اختیار کرنے والے صرف متکلمین کے اہل اھواء ہوئے: مانند رافضہ جو پہلے تین کی خلافت میں طعن کرتے ہیں، یا خوارج جو (رسول اللہ ﷺ کے) ہر دو داماد عثمانؓ اور علیؓ کی خلافت میں طعن کرتے ہیں۔ یا کچھ ناصبی حو حضرت علیؓ کی

پُر جزم طور پر اور جابجا بیان ہوتا ہے، وہ ایک معلوم و مستفیض بات ہے۔ مسئلہ ایک آدھ حدیثی روایت کا نہیں، جیسا کہ ناصبی میلانات کے شکار ایک گروہ کا خیال ہے، اور جس کی اصل تان یزید کو خلفائے راشدین کی لڑی میں شامل کرانے پر ٹوٹتی ہے، اور جو کہ حدیثِ سفینہؓ پر چند اشکالات اٹھا لینا اس معاملہ میں کافی جانتا ہے! امت کے مواقف کو اہمیت دینے والوں کے لیے البتہ؛ ائمۂ سنت کے مین سٹریم کے ہاں چلا آتا بیانیہ واضح ہے۔ بحث کرنی ہو تو بھلا کس مسئلے میں نہیں ہو سکتی!؟

معلوم رہے، ناصبی میلانات کا کہیں پر جگہ بنانا خود بخود وہاں روافض کا کام آسان کرتا ہے۔ افکار کی دنیا کا عجب ماجرا ہے؛ ہر انتہا اپنے توانا رہنے کے لیے اپنی ضد کو چاہتی ہے۔ یہ "چین ری ایکشن" chain reaction ہر دو انتہا کے حق میں صحت افزا جبکہ جماعت کے حق میں جان لیوا رہتا ہے۔

خلافت کو مسترد کرتے ہیں، یا پھر اہل سنت میں سے کچھ جاہل طبقے جو حضرت علیؓ کی خلافت کے معاملہ میں توقف کے قائل ہیں۔

خلافتِ نبوت کے بعد:

نبی ﷺ کی وفات سَن 11 ہجری ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی۔ ٹھیک تیس سال بعد آپ ﷺ کے نواسے (اسلام کے ایک) سردار حسنؓ بن علیؓ کے ہاتھوں اہل ایمان کے دو فریقوں کے مابین صلح کا عمل انجام پایا جو کہ سن 41 ہجری جمادی الاول کے مہینے میں ہوا، اور اسے "عام الجماعہ" کا نام دیا گیا کیونکہ لوگ معاویہؓ پر اکٹھے ہوئے، اور جو کہ (اسلامی تاریخ کے) پہلے بادشاہ ہیں۔

ایک حدیث جس (کی اصل) صحیح مسلم میں ہے، فرمایا:

ستكون خلافةُ نبوةٍ ورحمةٌ، ثم يكون مُلْكٌ وَرَحْمَةٌ، ثم يكون مُلْكٌ وَجَبْرِيَّةٌ، ثم يكون مُلْكٌ عَضُوْضٌ.

"(پہلے) ہوگی: خلافتِ نبوت اور رحمت۔ پھر ہوگی" بادشاہت اور رحمت۔ پھر ہوگی: بادشاہت اور جبریت۔ پھر: دانت گاڑنے والی بادشاہت"۔[47]

---

[47] اوپر مذکورہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ کتبِ حدیث میں تلاش نہیں ہو سکی، گو اس میں بیان کیا گیا معنیٰ احادیث میں موجود ہے۔ (احادیث میں بالعموم ملك جبرية کے الفاظ ملك عضوض سے پہلے آتے ہیں) "مُلْكٌ وَرَحْمَةٌ" کے حوالے سے حدیث کے الفاظ ذیل میں دیے جاتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَوَّلُ هَذَا الْأَمْرِ نُبُوَّةٌ وَرَحْمَةٌ، ثُمَّ يَكُونُ خِلَافَةً وَرَحْمَةً، ثُمَّ يَكُونُ مُلْكًا وَرَحْمَةً، ثُمَّ يَكُونُ إِمَارَةً وَرَحْمَةً، ثُمَّ يَتَكَادَمُونَ عَلَيْهِ تَكَادُمَ الْحُمُرِ فَعَلَيْكُمْ بِالْجِهَادِ، وَإِنَّ أَفْضَلَ جِهَادِكُمُ الرِّبَاطُ، وَإِنَّ أَفْضَلَ رِبَاطِكُمْ عَسْقَلَانُ»

"اس سلسلہ کی ابتدا ہے: نبوت اور رحمت۔ پھر یہ ہوگا: خلافت اور رحمت۔ پھر یہ ہوگا بادشاہت اور رحمت۔ پھر یہ ہوگا: امارت اور رحمت۔ پھر وہ اس پر یوں منہ مارتے پھریں گے جیسے گدھے منہ مارتے ہیں۔ پس تم لازم پکڑنا جہاد کو۔ اور جہاد کی سب سے بہتر صورت ہے رباط۔ اور سب سے بہتر رباط ہے عسقلان (فلسطین کا ایک شہر) میں"۔

یہ حدیث المعجم الکبیر للطبرانی میں آئی ہے (حدیث رقم 11138، جلد 11 صفحہ 88)۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اس روایت کے رجال کو ثقہ کہا ہے (مجمع الزوائد: رقم الحدیث 8954 جلد 5 صفحہ 190)۔ یہ حدیث صحیح ہے؛ شیخ البانی نے اس کو سلسلہ احادیث صحیحہ میں درج کیا ہے۔ (دیکھئے: سلسلہ صحیحہ رقم 3270 جلد 7 صفحہ 802)۔ اس سے ملتے جلتے الفاظ مستدرک حاکم میں حضرت عمرؓ کی روایت میں بھی آتے ہیں)۔

یہاں یہ ذکر کر دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ: نصوص کے اندر امت کے سیاسی حالات کی بابت جو پیش گوئیاں ہوئیں وہ کسی ایک ہی انداز میں نہیں، بلکہ ان کا ذکر کرنے میں نصوص کے اندر ایک تنوع پایا گیا ہے۔ جس کی بنا پر زیادہ مناسب طریق یہ ہوگا کہ ان کو چند صورتوں میں محصور کر دینے کی بجائے ان سب نصوص کو جوڑ کر دیکھا جائے۔

اس سلسلہ میں ایک حدیث تو وہ ہے جو خاصی مشہور ہے (بروایت حضرت حذیفہ بن الیمانؓ):

تَكُونُ النُّبُوَّةُ فِيكُمْ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ، فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا عَاضًّا، فَيَكُونُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً، فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ نُبُوَّةٍ ، ثُمَّ سَكَتَ(مسند احمد 18406۔ تصحیح الالبانی: سلسلة الاحاديث الصحيحه حديث رقم 5)

تمہارے مابین نبوت رہے گی جب تک اللہ اسے رکھنا چاہے پھر وہ اسے اٹھالے گا۔ پھر خلافت علی منہاج النبوۃ ہو گی جب تک اللہ اسے رکھنا چاہے پھر اللہ اسے اٹھالے گا۔ پھر چھٹ رہنے والی بادشاہت ہو گی جب تک اللہ اسے رکھنا چاہے پھر اللہ اسے اٹھالے گا۔ پھر جبری

بادشاہت ہو گی جب تک اللہ اسے رکھنا چاہے پھر اللہ اسے اٹھالے گا۔ پھر خلافت علی منہاج النبوہ ہو گی۔اس کے بعد آپؐ خاموش ہو گئے۔

جبکہ اوپر عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث میں بادشاہت (ملوکیت) کی ایک صورت کا ذکر ہے اور وہ ہے بادشاہت جس میں رحمت ہو اور جس کو امام ابن تیمیہ نے امیر معاویہؓ کے دورِ حکومت پر منطبق کیا ہے۔اس سلسلہ میں یہاں چند فوائد ذکر کر دینا مفید ہو گا:

1. حذیفہ بن الیمانؓ کی حدیث میں خلافت علی منہاج النبوۃ کے بعد ملکِ عضوض کا ذکر آتا ہے جبکہ عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث میں ملک ورحمۃٌ کا ذکر آتا ہے۔ علماء کا کہنا ہے ان دونوں میں جمع ممکن ہے، کیونکہ ثُمَّ کا لفظ اتصال اور فوریت کا معنٰی نہیں دیتا بلکہ صرف تاخیر کا معنٰی دینے کے لیے ہے۔ لہٰذا یہ معنٰی لینے میں کوئی مانع نہیں کہ خلافتِ نبوت اور مُلکِ عضوض کے بیچ مُلْکٌ وَرَحْمَةٌ کا کوئی مرحلہ ہو۔
2. بلکہ علماء نے یہ تک بیان کیا ہے کہ واقعات کی یہ ترتیب ایک عمومی سیاق میں ہے۔ان کے بیچ میں کچھ وقفوں اور تھوڑے بہت تغطل کا آنا بعید از قیاس نہیں ہے۔
3. یہی وجہ ہے کہ وہ علماء جو بنو امیہ و بنو عباس کی خلافت کو بالعموم ملکِ عضوض کے تحت درج کرتے ہیں، درمیان میں عمر بن عبدالعزیز ایسے زریں دور کو (جو کہ خلافت علی منہاج النبوۃ کی ایک دمکتی تصویر پیش کرتا ہے) اس معنٰی میں نظر انداز ہی کرتے ہیں (کہ اس کو علیحدہ سے کوئی دور مانا جائے؛ اس کے نہایت مختصر ہونے کی وجہ سے)۔ یوں عمر بن عبدالعزیزؒ سے پہلے اور بعد مُلکِ عضوض ہی کا دور چلتا ہے۔ ورنہ درمیانی مرحلوں کی اگر کچھ بھی گنجائش نہ ہو تو پھر اصولاً یہ ہونا چاہئے تھا کہ عمر بن عبدالعزیز کی خلافت پر ملکِ عضوض کا مرحلہ اختتام پزیر مانا جاتا۔ بلکہ اس صورت میں اس سے بھی بڑا اشکال پیدا ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ ملکِ عضوض کے فوراً بعد اور ملکِ جبریۃ کے آئے بغیر ہی (عمر بن عبدالعزیز کی صورت میں) خلافت علی منہاج

نبی ﷺ اس مشہور حدیث میں، جو کہ صحیح ہے اور کتبِ سنن میں وارد ہے، فرماتے ہیں:

إِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتُ الْأُمُورِ؛ فَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

یقیناً تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ بہت سارا اختلاف دیکھے گا۔ (تب) لازم پکڑنا

النبوۃ کا دور آجاتا ہے!

4. حدیثِ حذیفہؓ میں مذکورہ دوسری بار کی خلافت علی منہاج النبوۃ کو بعض لوگوں نے واقعتاً عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور پر چسپاں کیا بھی ہے۔ تاہم علماء نے بالعموم اس چیز کا اعتبار نہیں کیا اور ان کے نزدیک خلافت علی منہاج النبوۃ کے اس موعودہ دور کا آنا ابھی بجا طور پر باقی ہے۔ سلسلہ صحیحہ میں اس حدیث کے تحت کلام میں البانی یہ ذکر کرنے کے بعد کہ بعض لوگوں نے اس حدیث کا اطلاق دورِ عمر بن عبدالعزیز پر کیا ہے، فرماتے ہیں: میرے نزدیک یہ خیال درست نہیں، ایک تو اس لیے کہ عمر بن عبدالعزیز کا دور خلافتِ نبوت کے دور سے بہت قریب ہے۔ دوسرا، عمر بن عبدالعزیز کے دور سے پہلے ملکِ عضوض اور ملکِ جبریہ کے دو ادوار گزرے ہی نہیں۔

یہاں ایک اور نص کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: «إِنَّهَا سَتَكُونُ مُلُوكٌ، ثُمَّ جَبَابِرَةٌ، ثُمَّ الطَّوَاغِيتُ» مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الأمراء، باب ما ذُكر من حديث الأمراء والدخول عليهم، رقم 30565)

انس بن مالکؓ سے روایت ہے، کہا: "پہلے بادشاہ پائے جائیں گے۔ پھر کچھ جابر آئیں گے۔ پھر طاغوتوں کا راج ہوگا"۔

اس آخری روایت کی تخریج دستیاب نہیں ہو سکی۔ اس کی سند میں اعمش اور انسؓ کے مابین شمر بن عطیہ پایا جاتا ہے، جس کی بابت امام احمد کا کہنا ہے کہ اعمش کی شمر سے سماعت ثابت نہیں۔

میری سنت کو اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو۔ اس کو مضبوطی سے تھام کر رکھنا۔ اس کو ڈاڑھوں میں دبا کر رکھنا۔ اور بچ کر رہنا نئی گھڑلی جانے والی چیزوں سے؛ کیونکہ ہر نئی اپج گمراہی ہے۔

ملوك (بادشاہوں) کو خلفاء کہنے کا جواز:

اس امر کا جواز ملتا ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد آنے والوں کو بھی "خلفاء" کا نام دے لیا جائے اگرچہ ہیں وہ ملوک (بادشاہ)۔ ہاں وہ انبیاء کے خلیفہ (انبیاء کے جانشین) نہ ہوں گے۔ ان کے لیے "خلیفہ" کا لفظ بولنے کا جواز اس حدیث سے نکلتا ہے جو کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم ہر دو میں وارد ہوئی، بروایت حضرت ابوہریرہؓ، رسول اللہ ﷺ سے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ يَسُوسُهُمْ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ فَتَكْثُرُ؛ قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: فُوا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ؛ ثُمَّ أَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ؛ فَإِنَّ اللَّهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ

بنی اسرائیل کا معاملہ یوں تھا کہ ان کے معاملاتِ سیاست انبیاء چلاتے رہے، جب ایک نبی دنیا سے جاتا تو اس کا جانشین کوئی نبی ہی ہوتا۔ اب یقیناً میرے بعد کوئی نبی تو نہیں ہے۔ ہاں خلفاء ہوں گے اور بہت زیادہ ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کی: تو آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: جس کی بیعت دوسرے سے پہلے ہو جائے اُسی کی بیعت نبھاتے چلے جانا۔ تم ان کو ان کا حق دیتے رہنا؛ کیونکہ اللہ نے جو کچھ ان کی ذمہ داری میں دیا اُس کی بابت اُن سے وہ خود سوال کرنے والا ہے۔

حدیث میں جو لفظ آیا ہے [فَتَكْثُرُ "بہت زیادہ ہوں گے"] تو وہ اس بات پر دلیل ہے کہ خلفاء، خلفائے راشدین کے علاوہ بھی ہوں گے؛ کیونکہ خلفائے راشدین تو "بہت زیادہ"

نہیں تھے۔[48] پھر [فُوا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ "جس کی بیعت دوسرے سے پہلے ہو جائے اُسی کی بیعت نبھاتے چلے جانا"] کے لفظ بھی اس بات کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ

---

48 پھر جبکہ یہ چیز بھی پیش نظر رہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ آپ ﷺ کی امت میں خلفاء بہت زیادہ ہوں گے، آپؐ کی گفتگو میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے ساتھ ایک موازنہ کے سیاق میں آیا ہے۔ اُدھر ہم جانتے ہیں بنی اسرائیل میں انبیاء کا یہ سلسلہ صدیوں چلا ہے نہ کہ محض 'تین عشروں' کے لیے۔ یہاں تک کہ ہم دیکھتے ہیں بنی اسرائیل کے دورِ اسیری تک کے دوران انکے بیچ انبیاء پائے گئے جو کہ ان کے معاملات کو جس حد تک سنبھالا جا سکتا تھا سنبھالتے رہے۔ لہٰذا یہ ایک سامنے کی حقیقت ہے کہ بنی اسرائیل کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ کے ساتھ موازنہ کے طور پر رسول اللہ ﷺ جب اپنی امت کے معاملہ میں یہ فرمائیں کہ یہاں انبیاء تو اب بالکل نہیں ہوں گے البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت زیادہ ہوں گے تو وہ 'چار' کی تعداد میں یا 'تیس سال' کی مدت میں محصور نہ سمجھے جائیں۔ بنابریں، ہمارے علماء اس معاملہ میں بہت واضح ہیں کہ تیس سال بعد صرف "خلافتِ راشدہ" ختم ہوئی تھی نہ کہ "خلافت" ہی سرے سے ختم ہو گئی تھی۔ کچھ بے اعتدالیوں اور کچھ نہ کچھ ظلم و جور کے علی الرغم، خلافت (زمین پر شرعِ محمدی کی حکمرانی، اور روئے زمین پہ کافر ملتوں کے مقابلے پر اسلام کا ایک واضح کیمپ) مختلف صورتوں اور مختلف سطحوں پر سوا ہزار سے زائد عرصہ پوری آب و تاب سے برقرار رہی، اور حالیہ تعطل کے بعد ان شاء اللہ پھر لوٹ آنے والی ہے۔ معروف اسلامی مفکر محمد قطب کے بقول: یہ تصور کہ انسانی معاشروں پر اسلام کی حکومت صرف تیس سال چل پائی تھی، زیادہ تر مستشرقین کے ہاتھوں ترویج پاتا رہا ہے؛ یہ بات ذہنوں میں راسخ کرنے کے ساتھ مستشرقین کے کچھ گھناؤنے مقاصد وابستہ تھے۔ بقول محمد قطب: رسول اللہ ﷺ کے رحلت فرما جانے کے بعد، اسلام کی مثالی فرماں روائی جس کو ہم خلافتِ راشدہ کہتے ہیں ضرور تیس سال تک قائم رہی البتہ کچھ کمیوں کوتاہیوں کے ساتھ اسلام کی فرماں روائی صدیوں قائم رہی ہے۔

ان میں اختلاف ہو گا (ایک کی بیعت کے اوپر دوسرے کی بیعت ایسے واقعات رونما ہوں گے)، جبکہ خلفائے راشدین کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ حدیث کے اختتامی الفاظ [أَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ؛ فَإِنَّ اللَّهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ "تم ان کو ان کا حق دیتے رہنا؛ کیونکہ اللہ نے جو کچھ ان کی ذمہ داری میں دیا اُس کی بابت اُن سے وہ خود سوال کر لینے والا ہے"] میں اہل سنت کا پورا منہج ہے کہ مالیات اور غنائم وغیرہ میں امراء کا جو حق بنتا ہے وہ امراء کو بدستور دیا جائے۔

اکیلے راعی نہیں رعایا بھی ذمہ دار!

میں (ابن تیمیہ) اس کے علاوہ کئی مقامات پر یہ بیان کر چکا ہوں کہ...: یہ جو واقعہ ہوا کہ (خلافت کا) معاملہ بالآخر بادشاہوں اور ان کی نیابت میں (چلنے والے) عہدوں پر فائز والیوں، قاضیوں اور امراء کی صورت ہو رہا... تو اِس واقعہ کی یہ ایک ہی توجیہ درست نہیں کہ اِن (حکام) کے اندر کوئی نقص تھا۔ حق یہ کہ اس کا باعث راعی اور رعایا ہر دو کے اندر پایا جانے والا کوئی نقص ہو سکتا ہے کیونکہ جیسا کہ (مثل) مشہور ہے کما تکونون، یُوَلّیٰ علیکم "جیسے تم خود ہو گے ویسے ہی تم پر والی آئیں گے"۔ اور جبکہ اللہ تعالیٰ کا کلام یہ کہتا ہے **وَكَذَلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا** "اسی طرح ہم ظالموں کو ایک دوسرے کے سپرد کرتے ہیں"۔

امراء کی اطاعت بھی، اصلاح بھی

نبی ﷺ کا یہ حکم نہایت معروف ہے، اور ہمارے ہاں متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے، کہ امراء کی اطاعت ہی کی جائے گی، سوائے وہاں جہاں اللہ کی نافرمانی بنتی ہو۔ امراء کو نصیحت اور ان کی خیر خواہی بدستور رہے گی۔ وہ جیسی حکمرانی کریں، یا فے (سرکاری مال) سے

لوگوں کو حصے دینے میں جو انداز اختیار کریں، اس پر صبر کیا جائے گا۔ ان کے ساتھ مل کر کفار پر لشکر کشی، ان کے پیچھے نماز پڑھنا، یہ سب جاری رکھا جائے گا۔ غرض وہ امور جو امراء ہی کے انجام دینے کے ہیں ان میں امراء کی اقتداء برقرار رکھی جائے گی۔ کیونکہ یہ چیز "وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوىٰ" کے باب میں آتی ہے۔ ہاں جس چیز سے آپ ﷺ نے روکا ہے وہ یہ کہ امراء کی کسی باطل اور غلط بات کو تسلیم کیا جائے، یا جو ظلم وہ کر رہے ہیں اس میں ان کی اعانت کی جائے، یا اللہ کی نافرمانی میں ان کی فرماں برداری کی جائے، وغیرہ۔ کیونکہ یہ [وَلا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ] کے باب میں آتا ہے۔

یہ واضح رہے کہ نبی ﷺ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا جو حکم دیا ہے، خواہ امراء کے مدمقابل ہو یا کسی اور کے مدمقابل، اور جو کہ مشروع طریقے پر ہی ہونا چاہئے، اور ہم جانتے ہیں کہ یہ (امر بالمعروف و نہی عن المنکر) پورا ایک باب ہے جو اس چیز سے متعلق ہے کہ اللہ کی رسالتیں (اس کے نازل کردہ اخبار و احکام) ان حکمرانوں کے روبرو لازماً پیش کیے جائیں... تو یہ فریضہ چھوڑ نہیں دیا جائے گا، نہ کسی بزدلی سے، نہ ان (حکمرانوں) سے دب کر، نہ اللہ کی آیات کو کسی تھوڑے فائدے کے مول بیچ کر، غرض کسی قیمت پر اس فرض سے خاموش نہ رہا جائے گا۔ البتہ جب یہ فریضہ (حق گوئی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر) انجام دیا جائے گا تو اس کے پیچھے ہرگز محرک ان پر یا عوام پر ریاست حاصل کرنا نہ ہو۔ نہ اس کا باعث حسد ہو، نہ تکبر، اور نہ اُن کے یا عوام کے آگے اپنے (جذبۂ حق گوئی) کا دکھاوا۔ نیز ایک منکر کا ازالہ اس سے کسی بڑے منکر کی صورت نہ کیا جائے گا؛ مثلاً ہتھیاروں کے ساتھ خروج کر کے فتنے اور شورش برپا کرنا، جیسا کہ اصولِ اہل سنت و جماعت میں معروف ہے، اور جیسا کہ نبوی نصوص سے واضح ہے؛ کیونکہ اس سے در آنے

والا فساد حکمرانوں کے ظلم کے نتیجے میں برپا فساد سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔اس کی بجائے؛ جو چیز کی جائے گی وہ یہ کہ اللہ کے احکامات کی اطاعت کی جائے ان (برسر اقتدار طبقوں) کے معاملہ میں بھی اور دوسروں کے معاملہ میں بھی؛یعنی خدا نے جو امر کیا اس کا پابند رہنا اور جن اشیاء سے روکا ان کو ترک کیے رکھنا۔ یہاں یہ بات ہم نے اجمالاً ہی بیان کی ہے،اس کی تفصیل کے لیے کوئی وسیع مقام درکار ہے۔

حسنات اور سیئات کا ایک ہی جگہ یا ایک ہی شخص میں جمع ہونا... اہل سنت کا ایک معروف مقدمہ

یہاں گفتگو کا مقصد خلافتِ نبوت (خلافتِ راشدہ) کے مابعد ادوار میں حسنات اور سیئات کے ایک ہی جگہ پائے جانے کا بیان ہے؛ امارت کرنے میں بھی اور امارت ترک کرنے میں بھی؛اس لیے کہ یہ ایک نازک اور مشکل مقام ہے۔

اس کا بیان یوں ہے کہ: نبی ﷺ کے یہ خبر دینے میں کہ خلافت نبوت (تیس سال بعد) جاتی رہے گی، بادشاہت کی مذمت اور اس کو معیوب ٹھہرانے کا ایک معنٰی موجود ہے۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ ابو بکرہؓ کی حدیث میں تو یہ بھی ذکر ہے کہ ایک خواب سے آپ ﷺ کا دل برا ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا: خِلَافَةُ نُبُوَّةٍ، ثُمَّ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُلْكَ مَنْ يَشَاءُ[49] "خلافتِ نبوت ہو گی، پھر اللہ جس کو چاہے گا بادشاہت دے گا"۔

---

[49] یہ حدیث ترمذی (كتاب الرؤيا، باب ما جاء فى رؤيا النبى صلى الله عليه وسلم الميزان، رقم 2287) اور ابو داؤد (كتاب السنة رقم 4634) میں آئی ہے۔ ترمذی میں یہ مختصر آئی ہے البتہ پورے الفاظ ابو داود میں ہیں:

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّىاللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ مَنْ رَأَى مِنْكُمْ رُؤْيَا فَقَالَ

دوسری جانب ائمہ اور امراء کی تنصیب کو واجب ٹھہرانے والی نصوص اور ان کی تحویل میں رہنے والے اچھے کاموں کا جو ثواب بنتا ہے، اس سے اس کی ستائش اور ترغیب کا ایک معنیٰ آتا ہے۔ پس لازم ہے کہ اس کے قابل ستائش پہلو کو اس کے قابل مذمت پہلو سے جدا کیا جائے، البتہ جہاں یہ (اچھے اور برے) دونوں پہلو بیک وقت پائے جائیں اس کا (دقیق) حکم (نکالا جائے)۔ (ملوکیت/بادشاہت سے متعلق) نبی ﷺ سے (ایک چیز) مروی ہے:[إِنَّ اللَّهَ خَيَّرَنِي: بَيْنَ أَنْ أَكُونَ عَبْدًا رَسُولًا، وَبَيْنَ أَنْ أَكُونَ نَبِيًّا مَلِكًا، فَاخْتَرْت أَنْ أَكُونَ عَبْدًا رَسُولًا[50] اللہ نے مجھے چناؤ دیا کہ میں چاہوں تو "عبد، رسول"

رَجُلٌ أَنَا رَأَيْتُ كَأَنَّ مِيزَانًا نَزَلَ مِنْ السَّمَاءِ فَوُزِنْتَ أَنْتَ وَأَبُو بَكْرٍ فَرَجَحْتَ أَنْتَ بِأَبِي بَكْرٍ وَوُزِنَ عُمَرُ وَأَبُو بَكْرٍ فَرَجَحَ أَبُوبَكْرٍ وَوُزِنَ عُمَرُ وَعُثْمَانُ فَرَجَحَ عُمَرُ ثُمَّ رُفِعَ الْمِيزَانُ فَرَأَيْنَا الْكَرَاهِيَةَ فِي وَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ... فَقَالَ خِلَافَةُ نُبُوَّةٍ ثُمَّ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُلْكَ مَنْ يَشَاءُ

ابو بکرہؓ سے روایت ہے، کہا: ایک روز نبی ﷺ نے فرمایا تم میں سے کون ہے جس نے کوئی خواب دیکھا ہو؟ تب ایک آدمی نے کہا: میں نے دیکھا گویا ایک ترازو ہے جو آسمان سے اترا، اس میں آپؐ اور ابو بکر کو تولا گیا تو ابو بکر کے مقابلے پر آپؐ کا پلڑا جھک گیا۔ پھر ابو بکر اور عمر کو تولا گیا تو عمر کے مقابلے پر ابو بکر کا پلڑا جھک گیا۔ پھر عمر اور عثمان کو تولا گیا تو عمر کا پلڑا جھک گیا، پھر میزان اٹھا لیا گیا۔ تب ہم نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک پر ناگواری دیکھی۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: (یہ) نبوت کی جانشینی (خلافتِ نبوت) ہے، پھر اللہ جس کو چاہے گا بادشاہت عطا کر دے گا۔

مشکوٰۃ (رقم الحدیث 6066) کی تخریج میں شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

[50] مسند احمد (رقم 7160)، مسند ابی یعلیٰ (رقم 6150)، صحیح ابن حبان (رقم 6365) بروایت حضرت

بنوں اور چاہوں تو "نبی، بادشاہ" بنوں۔ تب میں نے اس چیز کو چن لیا کہ "عبد، رسول" بنوں]۔

خلافتِ راشدہ کا وجوب... اور ملوکیت سے ممانعت... شریعت میں کس درجے کی ہے؟

آیا قاعدہ یہ ہے کہ ولایت، یا امارت، یا قضاء کا ملوکیت کے ساتھ خلط ہو جانا بطور اصل جائز ہے اور خلافت (راشدہ) نری مستحب ہے؟ یا یہ بطور اصل جائز ہی نہیں ہے سوائے جہاں علم یا قدرت/صلاحیت کے فقدان کے باعث اس کی احتیاج لاحق ہو گئی ہو؟

ہمارے نزدیک بطورِ اصل یہ جائز نہیں ہے۔ بلکہ اصل یہ کہ: واجب خلافتِ نبوت (خلافتِ راشدہ) ہی ہے۔ جس کی دلیل نبی ﷺ کا یہ فرمان: [عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ مِنْ بَعْدِي تَمَسَّكُوا بِهَا؛ وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ "میری سنت اور میرے بعد آنے والے خلفائے راشدین کی سنت کو ہی لازم پکڑنا۔ اس کو مضبوطی سے تھامنا، اس کو ڈاڑھوں سے دبا کر رکھنا، اور نئے گھڑ لیے گئے امور سے بچے رہنا، کیونکہ ہر نرالی بات ضلالت ہے"]۔ اور یہ آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا جب اس سے پہلے یہ خبر دی کہ [مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا "تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ جلد بہت سا اختلاف دیکھے گا"]۔ چنانچہ اس حدیث میں: حکم اور تاکید ہے خلفاء کا دستور لازم پکڑنے اور اس سے چمٹ رہنے پر۔ اور تنبیہ ہے اس سے ہٹ کر نئے گھڑ لیے گئے امور سے۔ اب (ایک جانب)

ابو ہریرہؓ۔ البانی نے اس کو صحیح کہا ہے (سلسلة الاحاديث الصحيحة رقم 1002)۔ اس حدیث پر کچھ نہایت مفید کلام ابن تیمیہ کی گفتگو میں آگے چل کر آ رہا ہے۔

آپ ﷺ کا امر فرمانا (خلفائے راشدین کا دستور ہی لازم پکڑنا) اور (دوسری جانب) آپ ﷺ کا نہی فرمانا (خلفائے راشدین کے دستور سے ہٹ کر گھڑ لیے گئے نئے امور سے خبردار) ایک چیز کے واجب ہونے پر بیّن دلیل ہوئی۔

خلفائے راشدین کی سنت اختیار کرنے کو واجب ٹھہرانے کے علاوہ... نبی ﷺ ان (خلفاء) میں سے پہلی دو ہستیوں کو ایک اور بھی خصوصی مقام دیتے ہیں، فرمایا: [اقْتَدُوا بالذين مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ "میرے بعد والے اِن دو کی اقتداء کرنا: ابو بکر اور عمر"]۔[51] چنانچہ ان دو کی اقتداء کا حکم دیا۔ جبکہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنے کا حکم تھا۔ اس میں شیخین (ابو بکرؓ و عمرؓ) کی تخصیص دو پہلو سے ہے:

1. ایک یہ کہ "سنت" تو وہ ہو گی جس کو خلفائے راشدین لوگوں کے لیے ایک دستور کے طور پر چلائیں گے۔ جبکہ ان میں سے دو یعنی ابو بکر و عمر کو "لائقِ اقتداء" ٹھہرانے کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ جو کریں اس میں ان کی پیروی کی جائے اگرچہ وہ کسی بات کو دستور نہ بھی ٹھہرائیں۔
2. دوسرا یہ کہ "سنت" کو خلفاء کے ساتھ ایک مجموعی معنٰی میں منسوب ٹھہرایا نہ کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ فرداً فرداً۔ اس سے یہ معنٰی نکالا جاسکتا ہے کہ "خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا" وہاں ہو گا جہاں وہ سب ایک چیز پر ہوں نہ کہ وہاں جہاں ان میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ راہ پر چلا ہو۔ البتہ جہاں تک ابو بکر و عمر کو "لائقِ اقتداء" ٹھہرانے کا تعلق ہے تو وہ ہر دو اپنی اپنی جگہ لائقِ اقتداء ہوں گے۔ گو یہ

---

51 ترمذی (کتاب المناقب، باب مناقب ابی بکر وعمر، حدیث رقم 3662)، ابن ماجۃ (مقدمہ، رقم 97)، ابن حبان (6902) بروایت حذیفہؓ بن الیمان۔ البانی نے اسے صحیح کہا (تحقیق صفۃ الفتوی ص 54)

استدلال ایک گونہ محل نظر ہے۔

اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ عثمانؓ اور علیؓ نے از راہِ اجتہاد جو طرز عمل اختیار کیا اور جس میں حضراتِ ابو بکرؓ اور عمرؓ کا طرزِ عمل اس سے مختلف اور اس سے بہتر رہا ہے، اور جس کی بابت نصوص اور جمہورِ امت کی تائید بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ اس معاملہ میں ابو بکرؓ و عمرؓ کا طرزِ عمل ہی راجح تر رہا ہے، جبکہ عثمانؓ و علیؓ کے دور میں ان امور کو اختیار کیے جانے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ امت میں افتراق آچکا تھا... تو ان امور میں ہم عثمانؓ و علیؓ کی اقتداء کے مامور نہیں ہوں گے، کیونکہ ان امور کو سُنَّةُ الخلفاء (خلفاء کا دستور) نہیں کہا جائے گا۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ حضراتِ ابو بکرؓ و عمرؓ نے امت کے معاملاتِ سیاست ترغیب اور تخویف ہر دو انداز میں چلائے۔ نیز وہ دماء (جانوں) اور اموال ہر دو کے معاملہ میں تاویل سے محفوظ رہے۔ جبکہ حضرت عثمانؓ نے ترغیب کا پہلو غالب رکھا، اور اموال کے معاملہ میں تاویل اختیار کی۔ جبکہ حضرت علیؓ نے تخویف کا پہلو غالب رکھا اور دماء (جانوں) کے معاملہ میں تاویل اختیار کی۔ حضراتِ ابو بکرؓ و عمرؓ کا زہد مال اور اقتدار ہر دو معاملہ میں کامل رہا۔ حضرت عثمانؓ کا زہد اقتدار کے معاملہ میں کامل رہا۔ اور حضرت علیؓ کا زہد مال کے معاملہ میں کامل رہا۔

خلافت اور بادشاہت کا حکم

علاوہ ازیں نبی ﷺ کا خلافتِ نبوت کے بعد بادشاہت آنے کے ذکر پر ناگواری ظاہر فرمانا دلیل ہوئی کہ اس (بادشاہت) میں دین کے کچھ ضروری حصے کا ترک آتا ہے۔

بادشاہت (ملوکیت) کا جواز ثابت کرنے والے حضرات شاید بعض نصوص سے حجت پکڑیں۔ مثلاً نبی ﷺ کا حضرت معاویہؓ کو یہ فرمانا: [إِنْ مَلَكْتَ فَأَحْسِنْ "اگر تم بادشاہ

بن جاؤ تو نیکی کرنا"۔ تاہم یہ محل نظر ہے۔[52] یا پھر اس بات سے حجت پکڑیں کہ حضرت عمرؓ شام کے دورے پر تشریف لے گئے تو وہاں حضرت معاویہؓ کو بادشاہانہ ٹھاٹ باٹ کے ساتھ دیکھا جبکہ معاویہؓ نے حضرت عمرؓ سے اس کی کچھ مصلحت بھی ذکر کی تو حضرت عمرؓ نے معاویہؓ سے اس پر تعرض نہ فرمایا، بلکہ عمرؓ کے اس پر یہ الفاظ آتے ہیں کہ "نہ میں تمہیں اس کی ہدایت کرتا ہوں اور نہ تمہیں اس سے منع کرتا ہوں"۔ چنانچہ یہاں یہ کہا جائے گا کہ عمرؓ نے معاویہؓ کو روکا نہیں نہ کہ یہ کہا جائے گا کہ عمرؓ نے معاویہ کو اس کی اجازت فرمائی؛ کیونکہ معاویہؓ نے حضرت عمرؓ سے اس امر کی کوئی ضرورت ذکر کی[53]، جس کا حضرت عمرؓ نے کوئی صریح اعتبار نہیں کیا، چنانچہ فی الجملۃ یہ بات محل اجتہاد ٹھہری۔

چنانچہ یہ دو قول اعتدال والے ہیں: یہ کہنا کہ: خلافت واجب ہے، اور اس سے باہر نکلنا صرف اسی قدر جائز ہے جتنا کہ حاجت تقاضا کرے۔ یا پھر یوں کہنا کہ: خلافت میں ملوکیت کے کسی عمل کو اتنا سا قبول کر لینا کہ ولایت کا مقصود معطل ہونے سے بچ جائے اور وہ (ولایت) بس سے باہر نہ رہے۔ کیونکہ جہاں ایک شرعی ولایت کا مقصود اس کے بغیر ناممکن الحصول ہو جائے وہاں اس (ملوکیت کے بعض امور) کی اجازت دیے بغیر چارہ نہ ہو گا۔ رہا (وہاں) بادشاہت کو واجب یا مستحب ماننا، تو یہ محل اجتہاد ہو گا۔

---

52 بیہقی فی "دلائل النبوۃ"، ج 6 ص 446۔ بیہقی نے ان الفاظ کے ساتھ اس کو ضعیف کہا ہے۔ گو بیہقی نے اس کے کچھ شواہد کا اعتبار کیا ہے، مگر ان میں "بادشاہت" کے الفاظ نہیں آتے۔

53 یعنی معاویہؓ کا کوئی ایسی مصلحت ذکر کرنا جو ایسا کرنے کے لیے ان کے نزدیک وجہِ جواز ہو، قائل کے اپنے خلاف دلیل ہو گی کہ یہ بات اصولاً قابل اعتراض تھی تو ہی معاویہؓ کو اس کی کوئی مصلحت حضرت عمرؓ کو بتانا پڑی۔

مسئلۂ "خلافت و ملوکیت" پر سامنے آنے والی دو انتہائیں

چنانچہ یہاں دو انتہائیں سامنے آئیں:

1. ایک انتہاء وہ جو اس (خلافتِ راشدہ) کو ہر قسم کی صورتحال اور ہر قسم کے زمانے میں اور ہر کسی پر واجب ٹھہرا دیتی ہے، کوئی اس سے خروج مطلق کرے تو بھی یہ اس کو مذموم ٹھہرائے گی اور کسی احتیاج کے تحت کرے تو بھی، جیسا کہ اہل بدعت مانند خوارج اور معتزلہ کا حال ہے، یا پھر سنت اور زہد کے ساتھ التزام میں غلو کرنے والے کچھ طبقوں کا۔
2. اور دوسری انتہا وہ ہے جو ملوکیت کو مطلق جائز کر لیتی ہے اور خلفائے راشدین کی سنت اختیار کرنے کی قید ہی سرے سے اڑا دیتی ہے، جیسا کہ بعض ظلم ڈھانے والے طبقوں یا امت کے اندر ہر قسم کے کھل کھیل کی راہ ہموار کرنے والے بعض افکار یا کچھ مرجئہ افراد کا حال ہے۔

یہاں معاملہ خوب نکھر آتا ہے، آگے چل کر ابھی ہم اسے اور بھی نکھاریں گے۔

معاملے کی تحقیق پس یہ ٹھہری کہ: معاملے کا خلافتِ نبوت (خلافتِ راشدہ) سے ہٹ کر بادشاہت (ملوکیت) کی جانب منتقل ہو جانا یا تو (1) خلافتِ نبوت پر پورا اترنے میں بندوں کو لاحق کسی عجز (بے بسی) کے باعث ہوا، (2) یا اس لیے کہ کوئی اجتہادِ سائغ ہوا (غلط تھا، مگر تھا ایک مخصوص صورتحال میں کسی اہل ہستی کا اجتہاد)، (3) یا یہ کہ علمی و عملی قدرت رکھنے کے باوجود کسی نے ایسا کیا۔

اب جہاں تک کسی علمی یا عملی بے بسی کا تعلق ہے تو اس صورت میں ملوکیت والا شخص معذور ہو گا، گو خلافتِ نبوت (خلافتِ راشدہ) بشرطِ قدرت و استطاعت (اپنی جگہ)

واجب رہے گی، جس طرح تمام شرعی واجبات ہی عجز (عدم استطاعت) کے وقت ساقط ہو جاتے ہیں، جیسا کہ اسلام لاتے وقت نجاشی کا حال تھا جس کے لیے اپنی قوم میں اسلام کا اظہار کر لینا ہی ممکن نہ تھا، بلکہ یوسف کا حال بھی بعض پہلوؤں سے اسی کے ساتھ ملتا جلتا ہے؛ تاہم بادشاہت (ملوکیت) بعض انبیاء کے لیے جائز بھی تھی جیسے داؤد ، سلیمان اور یوسف ۔

اور اگر علمی و عملی قدرت رکھتے ہوئے ایسا کیا گیا، اور فرض یہ کیا گیا ہو کہ خلافتِ راشدہ مستحب ہے واجب نہیں ہے، اور یہ کہ بادشاہت کو اختیار کر لینے کا ہماری شریعت میں بھی جواز تو ہے جیسا کہ ہم سے پہلی شریعتوں میں اس کا جواز تھا... تو اگر فرض یہ کیا گیا ہو، اور سمجھا گیا ہو کہ یہ قول ہی درست ہے، تو حق اور انصاف کی سیرت پر قائم ایک بادشاہ کے حق میں گناہ بھی لازم نہ آئے گا۔

معاویہؓ و علیؓ کی خلافت

یہی وہ پہلو ہے جس کا قاضی ابو یعلیٰؒ نے اپنی کتاب "المعتمد" میں امیر معاویہؓ کی خلافت کا جواز ثابت کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ ابو یعلیٰ یہی بنیاد اختیار کرتے ہیں کہ معاویہؓ کا حسنِ اسلام معروف ہے۔ ان کا عدل و انصاف اور حسن سیرت زبان زد عام ہے۔ ان کی امامت ثابت ہوتی ہے حضرت علیؓ کی وفات کے بعد، جب حضرت حسنؓ نے خود اس کا انعقاد فرمایا۔ (صحابہؓ کے مابین) اس کو عام الجماعۃ کا نام دیا گیا۔ نیز ابو یعلیٰ عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ حدیث لے کر آتے ہیں کہ [تَدُورُ رَحَى الْإِسْلَامِ عَلَى رَأْسِ خَمْسٍ وَثَلَاثِينَ[54] "اسلام کی چکی

[54] ابوداود، کتاب الفتن والملاحم، باب ذکر الفتن ودلائلها (رقم 4254)، مسند احمد (رقم 3707)،

پینتیس سال پورے ہونے تک چلے گی"]۔ابو یعلیٰ کہتے ہیں: امام احمدؒ اس حدیث کے حوالے سے، ابن الحکم کی روایت میں، کہتے ہیں: زہریؒ سے بیان کیا جاتا ہے کہ معاویہؓ کے پہلے پانچ سال یوں گزرے کہ ان کے ہاں کوئی قابل اعتراض بات نہ پائی گئی؛ چنانچہ حدیث کی رُو سے یہ ہوئے پینتیس سال۔ ابن الحکم کہتے ہیں: میں نے امام احمدؒ سے عرض کی: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ پینتیس سال کی گنتی نبی ﷺ کی ہجرت کے وقت سے لے کر کی جائے گی۔ تو امام احمد نے کہا: یہ خبر ہے۔ نبی ﷺ اسلام پر آنے والی کسی بات کی پیش گوئی فرمائیں گے تو وہ آئندہ سالوں کا ذکر کریں گے (نہ کہ گزرے ہوئے سالوں کا)۔ابو یعلیٰ کہتے ہیں: اس سے ظاہر ہوتا ہے امام احمد نے اس حدیث کو اس کے ظاہر پر لیا ہے، اور یہ کہ معاویہؓ کی خلافت اُن پینتیس سال کے منجملہ آجاتی ہے۔ ابو یعلیٰ ہی نے یہ بھی ذکر کیا کہ کسی آدمی نے امام احمد سے خلافت کے بارے میں دریافت کیا تو امام صاحب نے فرمایا: ہر وہ بیعت جو مدینہ میں ہوئی ہمارے نزدیک وہ خلافتِ نبوت (خلافتِ راشدہ) ہے۔ ابو یعلیٰ کہتے ہیں: اس سے البتہ یہی ظاہر ہوتا ہے جو بیعت مدینہ سے باہر ہوئی وہ خلافتِ نبوت نہیں۔

البتہ میں (ابن تیمیہ) کہتا ہوں: امام احمد کی تصریحات اس موضوع پر بہت زیادہ ہیں کہ خلافت حضرت علیؓ پر ختم ہوگئی تھی۔ قاضی ابو یعلیٰ کا یہ قول خود ان کے ہی اس قول کے خلاف ہے کہ: [الْخِلَافَةُ ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ تَصِيرُ مُلْكًا[55]"خلافت تیس سال ہے پھر وہ بادشاہت بن رہے گی"]۔ پوچھنے والا یہاں پوچھتا ہے: جب نبی ﷺ نے خلافت کو اپنے

البانی نے اسے صحیح کہا(السلسلة الصحيحة 976)

[55] ابوداود و ترمذی۔ البانی نے اسے صحیح کہا(السلسلة الصحيحة 459)

بعد تیس سال کے اندر خاص کر دیا تو خلافت کے آخری ایام حضرت علیؓ کے آخری ایام قرار پائے اور اس کے بعد وہ بادشاہت ہوئی، جس سے معلوم ہوا کہ وہ خلافت نہیں ہو گی... تو ابو یعلیٰؒ اس کا جواب دیتے ہیں: اس میں احتمال ہے کہ اس سے مراد نبی ﷺ کے بعد تیس سال کی وہ خلافت ہو جس میں بادشاہت کا کوئی شائبہ نہ ہو اور ایسی خلافت خلفائے اربعہ کی ہی ہوئی، جبکہ معاویہؓ نے خلافت میں بادشاہت کی آمیزش کر لی تھی؛ تاہم یہ ان کی خلافت میں باعثِ قدح نہیں جیسا کہ سلیمان کی بادشاہت سلیمان کی نبوت میں باعثِ قدح نہیں، باوجودیکہ ان کے ماسوا انبیاء کے یہاں حالتِ فقر ہی پائی گئی ہے۔ میں کہتا ہوں: ابو یعلیٰ کی اس بات کا مقتضا یہ ٹھہرا کہ خلافت میں بادشاہت کی آمیزش ہماری شریعت میں جائز قرار پائے، اور یہ کہ اس سے آدمی کی عدالت ساقط نہ ہو، گو خلافتِ محضہ کو اس سے افضل ہی مانا جائے۔ ہر وہ شخص جو معاویہؓ کی حمایت کرے یا ان کو ان کے معاملات میں مجتہد قرار دے اور ان کو گناہ/معصیت کے ساتھ منسوب ٹھہرانے سے گریزاں ہو... اُسے اِن دو میں سے کوئی ایک قول اختیار کرنا پڑے گا: یا یہ کہے کہ خلافت میں بادشاہت کی آمیزش جائز ہے، یا یہ کہے کہ (غلط ہونے کے باوجود) معاویہؓ کے حق میں (البتہ) اس پر ملامت رفع ہو جاتی ہے۔ تب اس کی توجیہ بنے گی جب [.....][56] وہ تسلیم کرے کہ خلافتِ نبوت واجب ہے۔ اور اگر قدرت ہوتے ہوئے وہ برائی کی گئی تو وہ کبیرہ گناہ بنے گا اگرچہ ویسے آدمی دیندار ہی مانا جائے گا۔ یا یہ کہ فاسق (بے دین) شخص وہ ہے جس کی سیئات اس کی حسنات پر بھاری ہو جائیں، جبکہ یہاں ایسا نہیں۔ اور یہ عادل بادشاہوں پر اللہ کی رحمت

---

56 مجموع فتاویٰ میں یہاں ایک سطر کے برابر عبارت کٹی ہوئی ملتی ہے۔ یہ ایک سطر کے برابر عبارت ہمیں کتاب کے کسی بھی ایڈیشن سے دستیاب نہیں ہوئی۔ دیکھیے مجموع ج35 کا ص27۔

ہے؛ صحابہؓ کے مابین وہ لوگ قابل اقتداء شخصیات میں رہے۔

البتہ اہل بدعت مانند معتزلہ وغیرہ معاویہؓ کو حضرت علیؓ کے خلاف جنگ کر لینے اور کچھ دیگر امور کی بنیاد پر فاسق ٹھہراتے ہیں، اس لیے کہ (ان کے بقول) معاویہؓ نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا اور اس سے ان کا فاسق قرار پانا لازم آیا۔ چنانچہ یہاں آپ کو ان دو مقدموں میں سے ایک کو لازماً غلط ٹھہرانا پڑتا ہے (معتزلہ کا پہلا مقدمہ: حضرت معاویہؓ کا وہ فعل کبیرہ گناہ ہونا۔ ان کا دوسرا مقدمہ: کبیرہ گناہ کرنے والے کا فاسق ہونا لازم آنا)۔

علاوہ ازیں، بادشاہوں کے حق میں اگر یہ گنجائش نکلی تو قاضیوں اور امراء وغیرہ کے حق میں بھی یہ گنجائش نکلے گی۔

تاہم خلافتِ نبوت کو بحالتِ قدرت واجب ماننے کی صورت میں، جب یہ ترک کی جائے: تو ترکِ واجب مذمت اور گرفت کا موجب ٹھہرے گا۔ البتہ یہ ترک آیا گناہِ کبیرہ ہے یا گناہِ صغیرہ؟ اگر صغیرہ گناہ مانا جائے تو اس سے آدمی کی عدالت مجروح نہیں ہو گی، اور اگر اس کو کبیرہ مانا جائے تو اہل علم کے ہاں اس مسئلہ میں دو قول ملتے ہیں۔ تاہم یہاں یہ کہا جائے گا کہ: بادشاہت اور امارت کرنے والا شخص اگر شریعت کی حکم کردہ حسنات کے کرنے اور شریعت کی منع کردہ سیئات سے دامن کش رہنے میں وہ کچھ کرتا ہے جس کا ثواب اس کے کچھ واجبات چھوڑ بیٹھنے یا کچھ ممنوعہ امور کا ارتکاب کر بیٹھنے کی سزا پر بھاری پڑتا ہو... تو یہ ایک ایسا شخص ہوا جس کی حسنات اس کی سیئات پر بھاری پڑ گئی ہیں۔ اب یہاں؛ مثلاً، اگر کوئی دوسرا شخص ہے جو اِس امیر جتنی خوبیاں انجام دینے سے قاصر ہے البتہ امیر کے ہاں پائی جانے والی ان سیئات سے بھی بچا ہوا ہے تو اس کے تین احوال ہو سکتے ہیں:

1. یا یہ کہ اِس امیر کی حسنات اور سیئات کا تول ہو جانے کے بعد امیر کی جو حسنات زائد

نکلتی ہوں وہ اس دوسرے شخص کی حسنات سے پھر بھی زیادہ ہوں۔اس صورت میں (اُس دوسرے شخص کے اِن سیئات سے بچے ہونے اور اِس امیر کے ہاں وہ سیئات پائی جانے کے باوجود) یہ امیر اُس شخص سے افضل ہی قرار پائے گا۔

2. یا یہ کہ امیر کی (سیئات پر بڑھی ہوئی حسنات) اُس شخص کی (بڑھی ہوئی) حسنات سے کم ہوں؛ یہاں یہ امیر مفضول ہو جائے گا اور وہ (دوسرا) شخص اس کی نسبت فاضل۔

3. یا وہ دونوں برابر ہوں گے، اور نیکیوں میں ایک دوسرے کے ہم پلہ ہوں گے۔

عدل و میزان کا یہی کہنا ہے۔اور یہی؛ کتاب کا اور سنت کا اقتضاء در بابت ثواب و عقاب۔

مگر یہ ہو گا اس مسلک کی رُو سے جو جزاءِ (اخروی) اور عدالتِ (دنیوی) کے معاملہ میں (حسنات و سیئات کے) اِس تول اور موازنہ کو حق مانتا ہے۔رہ گیا وہ شخص جس کے نزدیک ایک ہی کبیرہ گناہ آدمی کو وعید کا قطعی حقدار بنا دیتا ہے اگرچہ اس کے دامن میں ہزارہا عظیم نیکیاں کیوں نہ ہوں، تو اس کے ہاں ظاہر ہے اس (تول اور موازنہ) کی نوبت نہ آئے گی۔ (دنیوی) عدالت کی حد تک گو علماء کے ایک فریق کا قول یہ بھی ہے، تاہم وہ پہلا قول ہی صحیح تر ہے اور نصوص کی دلالت بھی اسی کی تائید میں جاتی ہے۔

عجز (بےبسی) کی حالت میں، شریعت کے بعض واجبات کا ترک جائز ہونا

اب یہاں سے ایک شرعی مسئلہ پھوٹتا ہے اور وہ یہ کہ ایسی صورتحال کا کیا حکم ہو گا جہاں: ایک ایسی نیکی جس کا پلڑا بھاری ہے ایک ایسی برائی کا ارتکاب کیے بغیر انجام پانے کی نہیں جس کا گناہ اُس نیکی کے مقابلے میں کمتر ہے؟

اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: کامل بے بسی

ایک صورت یہ کہ اُس کمتر برائی کو اختیار کیے بغیر اِس راجح تر نیکی کا انجام پانا ممکن ہی نہیں۔ ایسی ایک (مخصوص) صورتحال میں وہ برائی برائی ہی نہ رہے گی۔ یہاں یہ شرعی قاعدہ لاگو ہو جائے گا کہ [مَا لَا يَتِمُّ الْوَاجِبُ، أَوْ الْمُسْتَحَبُّ، إِلَّا بِهِ: فَهُوَ وَاجِبٌ أَوْ مُسْتَحَبٌّ "وہ چیز جس کے بغیر ایک واجب یا مستحب انجام نہ پا سکتا ہو، خود وہ چیز بھی واجب یا مستحب کے حکم میں چلی جاتی ہے"]۔ پھر اگر اُس برائی کی مفسدت یہاں پر مقصود مصلحت کی نسبت کمتر ہو تو وہ چیز (اِس خاص صورتحال میں) ممنوع کے حکم میں ہی نہیں رہے گی۔ مثلاً اضطرار کے وقت مردار کا گوشت کھا لینا، یا بعض دیگر محرمات جو احتیاجات کے موقع پر مباح کے حکم میں چلے جاتے ہیں مثلاً ٹھٹھرتی سردی میں ریشم پہن لینا وغیرہ۔ اور یہ شریعت کا ایک نہایت عظیم باب ہے۔

یہاں (حدودِ شریعت سے ناواقف) لوگوں کی ایک بڑی تعداد کا یہ حال ہوتا ہے کہ ایک چیز کا برا ہونا ہی ان کے اذہان پر سوار رہتا ہے؛ ان کا ذہن اس کے مخالف پڑنے والی اُس حاجتِ شرعی پر نہیں جاتا جس کے انجام پانے کی صورت میں وہ خیر اور وہ نیکی حاصل ہوتی ہے جس کا پلڑا اس برائی کے مقابلے پر کہیں بھاری ہوتا ہے اور اس بنا پر وہ چیز (شرعاً) مطلوب یا مباح ہو جاتی ہے؛ بشرطیکہ اس میں کوئی اور برائی نہ ہو اور صرف حاجتمندی کی دلیل اس کو مباح ٹھہرانے کے لیے کافی ہو۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ ایسے امور بھی جو اصولاً مباح ہیں، بلکہ وہ امور بھی جو اصولاً واجب یا مستحب کے درجے میں ہیں جب ان کے انجام دینے میں کوئی ایسی مفسدت آئے جو (ان امور میں پائی جانے والی مصلحت کے مقابلے پر)

بھاری ہو: تو یہ مفسدت اُن (اصولاً مباح یا یا واجب یا مستحب) امور کو حرام یا غیر راجح کے حکم میں کر دیتی ہے۔ مثلاً ایک مریض کے حق میں روزے ایسی (اصولاً واجب) عبادت۔ یا جس آدمی کو موت کا اندیشہ لاحق ہے اس کے حق میں طہارت کے پانی کا استعمال۔ یہی وہ چیز ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے (ان لوگوں کی بابت جنہوں نے زخمی صحابی کو غسل جنابت کرنے کا فتویٰ دیا تھا) فرمایا: [قَتَلُوهُ قَتَلَهُمْ اللَّهُ هَلَّا سَأَلُوا إِذَا لَمْ يَعْلَمُوا فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ "انہوں نے اسے مار ڈالا، اللہ ان کو مارے۔ خود عالم نہ تھے تو کسی سے پوچھ لیا ہوتا، جہالت کا مداوا یہی تو ہے کہ پوچھ لے"]۔[57]

یہ وہ قاعدہ ہے جس کی بنیاد پر بعض حالات میں سنتِ خلفاء سے عدولی کر لینے کا جواز نکلتا ہے، اور یہ بات سنتِ خلفاء سے عدولی کے ساتھ خاص نہیں؛ بلکہ یہ وہ باب ہے جس میں بعض شرعی واجبات کو ترک کر لینے یا بعض شرعاً ممنوع کاموں کو اختیار کر لینے کا جواز نکلتا ہے۔ اس باب کا اطلاق وہاں ہوتا ہے جہاں آدمی خلفاء کے کسی دستور پر پورا اترنے سے عاجز پڑ رہا ہو، یا کوئی ایسی مجبوری لاحق ہو گئی ہو کہ خلفاء کے ممانعت کردہ بعض امور کو اختیار کیے بغیر چارہ نہیں۔ مثلاً واجباتِ امارت سے شریعت کا جو مقصود ہے، اس کی انجام دہی ایک ایسی برائی کو اختیار کیے بغیر ممکن نہیں جس کی مضرت امارت کے ان واجبات کو بالکلیہ چھوڑ دینے کے مقابلے پر کمتر ہے۔

یہ تو ہوا سنتِ خلفاء کے مخالف امور کے ارتکاب سے متعلق۔ یہی حکم اُس صورتحال کا ہو گا جہاں سنتِ خلفاء کا کوئی حصہ آپ کو چھوڑ دینا پڑتا ہے، جیسا کہ اس سے پہلے ہم یہ بات

[57] البانی نے اس حدیث کو حسن کہا (صحيح أبي داود، رقم 364)

بیان کر چکے، اور یہ بھی واضح کر چکے کہ اس قاعدے کی مخالفت صرف اور صرف اہل بدعت یا ان جیسے اہل جہل اور اہل ظلم ہی کرتے ہیں۔ (اہل سنت کے ہاں اس قاعدے کا اعتبار کرنا ایک معلوم حقیقت ہے)۔

دوسری صورت: "مشقت"

دوسری صورت: جہاں اُس راجح تر نیکی کا انجام پانا اِس کمتر برائی کو اختیار کیے بغیر ممکن تو ہے، مگر خاصی مشقت کے ساتھ؛ جس کے لیے نفس کو آمادہ کرنا دوبھر ہوا جاتا ہے، یا جس سے آدمی کا جی بھاگتا ہے اور اس بنا پر وہ عظیم تر اور راجح تر حسنات جن کو شریعت نے واجب یا مستحب ٹھہرا رکھا ہے آدمی سے اُس وقت تک انجام پانے کی نہیں ہوتیں جب تک کہ وہ اپنے نفس کو اُس کی پسند کے بعض ایسے امور کی چھوٹ نہ دے جنہیں شریعت نے ممنوع ٹھہرا رکھا ہے تاہم ان (ممنوعہ امور) کا گناہ اُن حسنات کی منفعت کے مقابلے میں پھر بھی کمتر ہے... تو یہ وہ باب ہے جو نہایت کثرت سے پیش آتا ہے؛ اس سے نہ اہل امارت بچے ہیں، نہ اہل سیاست، نہ اہل جہاد، نہ اہل علم، نہ اہل قضاء، نہ اہل کلام، نہ اہل عبادت، نہ اہل تصوف، اور نہ عامۃ المسلمین، الا ماشاء اللہ۔ اب مثلاً ایک شخص ہے جس کو امارت سے وابستہ مصالح مانند امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اقامتِ حدود، راستوں کے امن و امان کی بحالی، دشمن سے جہاد، یا مالیات کی تقسیم و انصرام وغیرہ ایسے واجبات کی انجام دہی کا معاملہ درپیش ہے مگر اس کا نفس ان فرائض کی ادائیگی میں رام ہو کر نہیں دیتا سوائے یہ کہ وہ اپنے نفس کو بعض ممنوعہ حظ اٹھانے کی اجازت دے، مثلاً مالیات میں اس کا ہاتھ کچھ کھلا رہنے دیا جائے، یا لوگوں میں اس کو کچھ چودھراہٹ ملی رہے یا تقسیم میں اس کا حصہ زیادہ رکھا جائے، یا اسی طرح کے کچھ دیگر مرغوباتِ نفس۔ یہی معاملہ اہل جہاد کے ساتھ پیش آسکتا ہے: مثلاً ایک

باصلاحیت شخص خطرات کے ساتھ کھیلنے کا دھنی ہے اور جہاد میں جب تک اس کو اس بات کی کچھ چھوٹ نہ دی جائے اس کی طبیعت اِدھر آتی ہی نہیں۔ یہی معاملہ اہل علم کے ساتھ پیش آسکتا ہے: ایک ذہین آدمی ہے مگر طبیعت علمِ فقہ یا علم اصول الدین میں کوئی کمال پیدا کرنے کی طرف اُس وقت تک نہیں آتی جب تک وہ اپنے نفس کو رائے اور فلسفہ وکلام ایسے بعض ممنوعہ میدانوں میں بھی چر پھر آنے کی کچھ چھٹی نہ دے۔ یہی معاملہ آپ کو اہل عبادت کے ہاں دیکھنے کو ملے گا: ایک شخص ہے جس کا نفس عبادت کی مسنون صورتوں یا معرفت کی مشروع کیفیتوں پر جم کر نہیں دیتا جب تک کہ وہ رہبانیت سے ملتے جلتے چند امور اختیار نہ کرلے۔

یہ باب ملوکانہ ریاستوں میں تو نہایت کثرت سے پیش آتا ہے۔ بلکہ اس دور کے امراء، قضاۃ، علماء، زاہدوں، عبادت گزاروں اور تمام اہل زمانہ کو اسی سے سابقہ ہے۔ اس حوالہ سے ہی امت میں فتنوں (انتہاپسندیوں) نے جنم لے رکھا ہے۔ یعنی ایک طرف وہ انتہاپسندی ہے جس کی تمام نظر ان ممنوعہ امور کے ارتکاب ہی کی طرف جاتی ہے؛ چنانچہ یہ حضرات ان (اصولاً) ممنوعہ امور کا ارتکاب کرنے والوں کی مذمت میں صبح شام ایک کرتے ہیں اور ان کے خلاف ہی نفرت اور عداوت پیدا کرتے چلے جاتے ہیں۔ دوسری جانب وہ انتہاپسندی ہے جس کی تمام نظر ان امور ہی کی جانب جاتی ہے جن (کی ادائیگی ان عہدوں سے اصولاً) مطلوب ہے، ایسے حضرات ان (اربابِ اختیار) سے صرف محبت ہی رکھنے کے روادار ہوتے ہیں۔ پھر اول الذکر انتہاپسندی کچھ اور بڑھتی ہے تو وہ ان (اربابِ اختیار) کی نیکیوں کو بھی برائیاں گننے لگتی ہے۔ دوسری انتہاپسندی آگے بڑھتی ہے تو وہ ان کی برائیوں کو بھی نیکیاں گننے لگتی ہے۔ جبکہ اس مسئلہ کا اصولی بیان پیچھے گزر گیا ہے، اور وہ یہ کہ:

امارت میں جب ایک واجب کی ادائیگی ملوکیت کے کسی گوشے کو اختیار کیے بغیر دشوار نظر آتی ہو: تو کیا ملوکیت کا وہ گوشہ اختیار کر لینا مباح ہو جائے گا یا نہیں؟ (یعنی مسلم معاشرے سے متعلقہ ایک واجبِ شرعی کی انجام دہی اگر کسی ملوکانہ رِیت کو اختیار کیے بغیر ناممکن ہے پھر تو اُس ملوکانہ رِیت کو اختیار کرنے کا جواز پیچھے گزر چکا، یہاں یہ سوال اٹھایا جارہا ہے کہ جب اُس واجبِ شرعی کی انجام دہی ناممکن تو نہیں مگر دشوار ہے تو کیا تب بھی اس ملوکانہ رِیت کو اختیار کرنا مباح ہو گا یا نہیں؟)۔ اس سلسلہ میں، ہم ذکر کر چکے ہیں، کہ علماء کے دو قول پائے جاتے ہیں۔ جو اہل علم "دشوار" (تعسُّر) کو بھی "ناممکن" (تعذُّر) کے حکم میں رکھتے ہیں ان کے ہاں یہ گناہ شمار نہیں ہو گا۔ البتہ جو اہل علم "دشوار" کو "ناممکن" کا حکم نہیں دیتے ان کے ہاں یہ گناہ بنے گا۔ البتہ جہاں وہ چیز ناممکن بھی نہیں اور دشوار بھی نہیں، تو وہاں پر سنتِ خلفاء سے خروج کر لینا اتباعِ ھویٰ میں آئے گا۔

اس سلسلہ میں قولِ تحقیق یہ ہے کہ: حسنات حسنات رہیں گی اور سیئات سیئات؛ جبکہ یہ (زیرِ بحث) وہ لوگ جنہوں نے اچھے برے عمل ملا جلا دیے ہیں۔ اس معاملہ میں شریعت کا حکم یہ ہو گا کہ وہ سیئات جو یہ کرتے ہیں وہ کرنے کی نہ تو انہیں اجازت دیں اور نہ خود انہیں ایسا کرنے کو کہیں۔ ان کے نفس کے حظ کو ان کے یہ فعل کرنے میں عذر نہیں مانا جائے گا جب تک کہ شریعت ہی ان کے کسی عذر کا اعتبار نہ کرے۔ ہاں وہ حسنات جو یہ کرتے ہیں ان کو کرنے کا انہیں کہیں اور اس پر ان کو ابھاریں اور ترغیب دلائیں، اگرچہ یہ معلوم ہو کہ ان حسنات کو وہ بعض کمتر سیئات اختیار کیے بغیر انجام نہیں دینے کے۔ جس طرح کہ امراء کو جہاد پر ابھارا ہی جائے گا، اگرچہ معلوم ہو کہ وہ ایک گونہ ظلم کا ارتکاب کیے بغیر جہاد کا یہ فرض انجام نہیں دینے کے، جبکہ ان کے اس ظلم کی مفسدت جہاد کی مصلحت کے مقابلے

میں کمتر ہو۔

میزانِ حق:

مزید برآں... اگر یہ معلوم ہو کہ ان (امراء) کو ان سیئات سے روکنے کی صورت میں وہ ان راجح حسنات ہی کو چھوڑ بیٹھیں گے تو اس صورت میں ان کو ان سیئات سے روکا نہیں جائے گا؛ اس لیے کہ ہمارے اِس روکنے میں حسناتِ واجبہ کو ترک کرانے کی مفسدت پیدا ہو رہی ہو گی؛ الا یہ کہ ہر دو معاملہ میں پورا اترنے کی صورت میسر ہو، پس اس صورت میں واجب کو بدرجۂ تمام پورا کرا لیا جائے گا، جیسا کہ حضرت عمرؓ کا دستور تھا کہ ایسے شخص سے بھی کام لے لیتے جس میں ایک گونہ فجور ہو، اور جبکہ اس سے کام لینے کی مصلحت راجح تر ہو، البتہ بعد ازاں خود اپنی شخصیت کی قوت اور اپنے عدل سے کام لے کر اس کے فجور کا دھونا دھو دیتے تھے۔

یہ جو موخر الذکر صورت ذکر ہوئی (یعنی بعض سیئات کو سیئات ہی جاننا البتہ ایک امیر یا عہدیدار کو ان سے روکنے سے گریز کرنا)... اس کی مثال ویسی ہی ہے جیسے ایک منکر کو ہاتھ سے روکنے یا اس کو ہتھیار کے زور سے ختم کرنے سے کسی وقت اجتناب بھی برت لیا جاتا ہے؛ اور وہ اس وقت جب اس روکنے کی مفسدت اُس منکر کی اپنی مفسدت پر بھاری پڑتی نظر آتی ہو۔

چنانچہ ایک خاص صورتحال میں جہاں ایک برائی سے روکنا اس سے راجح تر نیکی کو چھڑوا دینے کا موجب ہو رہا ہو... تو وہ ایسے ہی ہے جیسے ایک منکر کو واقع کرانے کا ذریعہ بننا اور منکر بھی وہ جس کی مفسدت بھاری ہو۔ چنانچہ کسی خاص صورتحال میں اگر کوئی شخص اسلام قبول کرتا ہے مگر کہتا ہے کہ نمازیں وہ دو ہی پڑھے گا تو کسی خاص مصلحت کے باعث آپ

وقتی طور پر اس سے یہ تک قبول کر لیتے ہیں جیسا کہ نبی ﷺ سے یہ بات ماثور ہے[58] (کیونکہ یہاں آپ کی نظر ایسا نہ کرنے کی صورت میں لازم آنے والی مفسدت پر ہوتی ہے)۔ یا مثلاً کسی خاص صورتحال میں مسلمانوں پر مسلط کوئی حکمران اسلام قبول کرنے پر آجاتا ہے جبکہ شراب پینا یا کچھ اور حرام کام کرنا ابھی تک اس کا معمول چلا آیا ہے، اب اگر آپ اُس کے اُن برے کاموں کے پیچھے پڑتے ہیں تو اس سے یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اسلام سے

---

58 اشارہ ہے وفدِ ثقیف سے متعلق ایک واقعے کی طرف، اس وفد میں آنے والے ایک شخص نے نبی ﷺ کے سامنے شرط رکھی تھی کہ وہ صرف دو نمازیں پڑھے گا، آپؐ نے وقتی طور پر اس سے یہ بات قبول فرمالی، جبکہ اہل وفد سے ان کی یہ شرط قبول فرمائی کہ ان کو زکات اور جہاد سے معاف رکھا جائے، جبکہ اصحابؓ سے آپؐ نے فرمایا: یہ زکات بھی دیں گے اور جہاد بھی کریں گے۔ شیخ البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے (دیکھئے شیخ البانی کی "الثمر المستطاب" رقم 3، مسند احمد رقم 20287)۔

یہاں بعض لوگ شاید یہ نکتہ اٹھائیں کہ وفدِ ثقیف سے (وقتی طور پر) بعض ایسی شرطیں قبول کر لینا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے، بعد میں کسی کے لیے روا نہیں ہے۔ مگر ابن تیمیہ کے کلام میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ ایسا نہیں ہے۔ جامع العلوم والحکم میں امام ابن رجبؒ نے بھی وفدِ ثقیف کے اِس واقعے پر کلام فرمایا ہے اور اس سے کئی عملی مسائل کشید کیے ہیں۔ بلکہ ابن رجب اس مقام پر تصریح فرماتے ہیں: وَأَخَذَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ بِهَذِهِ الْأَحَادِيثِ، وَقَالَ: يَصِحُّ الْإِسْلَامُ عَلَى الشَّرْطِ الْفَاسِدِ، ثُمَّ يُلْزَمُ بِشَرَائِعِ الْإِسْلَامِ كُلِّهَا "امام احمد نے ان احادیث کا اعتبار کیا ہے اور کہا ہے کہ: کسی آدمی کا ایک فاسد شرط پر اسلام قبول کرنا قابل اعتبار ہے، ہاں بعد ازاں اس کو اسلام کے جملہ احکام وشرائع کا پابند کیا جائے گا"۔ (ملاحظہ کیجئے جامع العلوم کی آٹھویں حدیث "أُمِرتُ أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله الا الله" کے تحت ابن رجب کا کلام)

منحرف ہو جائے (تو پھر ایسی صورت میں آپ اُس کی اُن برائیوں کے خلاف تحریک برپا کرتے نہیں پھریں گے)۔

پس فرق ہوا:

1. ایک عالم یا امیر کے بعض لوگوں کو کسی برائی سے روکنے سے گریز کرنے میں، جبکہ ان کو اس سے روکنے سے جو مفسدت پیدا ہونے والی ہو وہ اُس کی نظر میں زیادہ بھاری ہو،
2. اور انہیں وہ برائی کرنے کی اجازت دے ڈالنے میں۔

صورتحال کے بدلنے سے معاملہ بدلتا چلا جائے گا: اس سے ایک مختلف صورتحال میں لوگوں کو اس برائی سے کھل کھلا کر روکنا ہی واجب ہو گا؛ یا تو اس لیے کہ اس کا حرام ہونا واضح ہو اور لوگ اس کی حرمت کے معتقد اور اس کے ارتکاب سے متنبہ ہوں۔ یا اس لیے کہ امید ہو لوگ اس کے روکنے سے رک جائیں گے۔ یا پھر اس لیے کہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائے۔ سب حسبِ احوال۔ یہ وجہ ہے، کہیں امر تو کہیں نہی، کہیں لڑائی تو کہیں درگزر، کہیں حد لگانے اور درشتی دکھانے تو کہیں نرمی اور مہربانی دکھانے کے حوالہ سے رسول اللہ ﷺ کے احوال متنوّع رہے۔

ملوکیت کا ہم سے پہلوں کی شرع میں جائز ہونا

پچھلی شریعتوں میں بادشاہت کا حکم

شیخ الاسلام نے فرمایا:

اس سے پیشتر میں اس مسئلہ پر روشنی ڈال آیا ہوں کہ: آیا ملوکیت ہماری شریعت میں جائز ہے اور خلافتِ نبوت (خلافتِ راشدہ) اس کی نسبت صرف مستحب اور افضل تر ہے؟ یا پھر خلافتِ نبوت واجب ہے اور اس سے پیچھے ہٹنے اور اس کی جگہ ملوکیت کا کوئی معاملہ اختیار کر لینے کا جواز صرف وہاں پر ہے جہاں آدمی معذور ہو، جیسا کہ تمام واجباتِ شرعیہ میں ہوتا ہے کہ بوقتِ عذر ایک چیز کا وجوب باقی نہیں رہتا؟ اس پر ویسے میں بات کر چکا ہوں۔

ہاں جہاں تک ہم سے پہلوں کی شریعت کا تعلق ہے، تو اُن کے ہاں ملوکیت جائز تھی۔ جیسے دولتمندی کسی وقت انبیاء کو بھی دے دی جاتی ہے اور کسی وقت صالحین کو بھی بخش دی جاتی ہے، ویسا ہی معاملہ اُن کی شریعت میں بادشاہت (ملوکیت) کا تھا۔ داود کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے:

وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ (البقرۃ:251)

اور خدا نے داؤد کو بادشاہی اور دانائی بخشی اور جو کچھ چاہا سکھایا۔

جبکہ سلیمان کے بارے میں فرمایا:

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (ص:35)

سلیمان نے دعا کی کہ اے پروردگار مجھے مغفرت کر اور مجھ کو ایسی بادشاہی عطا کر کہ میرے بعد کسی کو شایاں نہ ہو۔ بے شک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

یوسف کے بارے میں فرمایا:

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ (یوسف:121)

اے میرے پروردگار تونے مجھ کو بادشاہی دی اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا۔

چنانچہ یہ تین انبیاء ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہمیں خبر دیتا ہے کہ اُس نے انہیں بادشاہت دی تھی۔ علاوہ ازیں فرمایا:

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا (النساء:54-55)

یا جو خدا نے لوگوں کو اپنے فضل سے دے رکھا ہے اس کا حسد کرتے ہیں، تو ہم نے خاندان ابراہیمؑ کو کتاب اور دانائی عطا فرمائی تھی اور عظیم بادشاہی بھی بخشی تھی۔

نبوت کی بعض صورتوں کا "بادشاہی" کہلانا:

چنانچہ یہاں آلِ ابراہیمؑ کو ایک قسم کی بادشاہت دی جاتی ہے اور آلِ داؤد کو ایک دوسری قسم کی بادشاہت دی جاتی ہے، جیسا کہ مجاہدؒ سے یہ تفسیر ماثور ہے کہ اس آیت **تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ** میں "ملک" (بادشاہت) سے مراد ہے نبوت۔ چنانچہ یہاں خود نبوت ہی کو بادشاہی قرار دے دیا۔

نبی کو پیش آنے والی تین صورتیں:

تحقیق پر مبنی قول یہ ہے کہ نبوت کی ایک صورت بادشاہی ہے۔ اصل میں نبی کو ممکنہ طور پر تین صورتیں پیش آتی ہیں:

1. ایک وہ نبی ہے جس کی تکذیب ہوتی ہو، زمین میں اس کی اتباع نہ کی جاتی ہو اور اس کی اطاعت نہ ہوتی ہو۔ چنانچہ یہ وہ نبی ہے جس کو بادشاہی کی کوئی صورت عطا نہیں ہوئی۔
2. دوسرا وہ نبی جس کی اطاعت ہوتی ہو۔ چنانچہ اس کا مطاع (پیشوا) ہونا بجائے خود ایک طرح کی بادشاہی ہے۔ تاہم اگر وہ صرف وہی حکم کرے جس کا خود اُسے حکم

ہوا ہے تو وہ "رسول، عبد" ہے بادشاہ نہیں۔

3. البتہ اگر وہ اپنی مرضی اور آزادی سے حکم کرنے کا مجاز ہو تو وہ (باقاعدہ) بادشاہی کے درجے پر ہے، جیسا کہ سلیمان کو پروانہ جاری کیا گیا: {هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ[59] "یہ ہے ہماری عطا۔ اب تو لٹایا روک رکھ، کوئی حساب نہیں"۔ چنانچہ یہ ہے "نبی، بادشاہ"}۔

چنانچہ ایک ہوا "نبی، بادشاہ" اور ایک ہوا "رسول، عبد"۔ جبکہ حدیث میں دیکھیں تو نبی ﷺ کو یہ دونوں چناؤ باقاعدہ انداز میں پیش ہوئے، فرمایا گیا:

أَفَمَلِكًا نَبِيًّا يَجْعَلُكَ، أَوْ عَبْدًا رَسُولًا؟ قَالَ جِبْرِيلُ: تَوَاضَعْ لِرَبِّكَ يَا مُحَمَّدُ. قَالَ: «بَلْ عَبْدًا رَسُولًا»[60]

کیا اللہ آپ کو "نبی، بادشاہ" بنائے یا "رسول، عبد"؟ جبریلؑ نے مجھ سے کہا: اے محمدؐ اپنے پروردگار کے آگے تواضع اختیار کیجئے۔ تو آپؐ نے فرمایا: مجھے "رسول، عبد" ہی بنایا جائے۔

چنانچہ پہلی تفسیر کی رُو سے نبی کو صرف اطاعت اور اتباع ملی ہوتی ہے؛ جو کہ نبوت اور رسالت کی ایک صورت ہے، اور جو کہ کامل تر ہے، اور ہمارے نبیؐ پر منطبق ہوتی ہے، یعنی آپؐ "رسول، عبد" تھے۔ آپؐ کو متبعین کی تائید، اطاعت اور پیروکاری (بڑے پیمانے پر) حاصل تھی۔ چنانچہ ایک بڑی تعداد میں اطاعت گزار اور پیروکار حاصل ہونے کا فائدہ ہمارے نبیؐ کو یہ حاصل ہوا کہ جتنے آپؐ کی اتباع کریں ان سب کے برابر کا آپؐ کو اجر ملے،

---

[59] سورۃ ص: 39

[60] مسند احمد عن ابی ھریرہ، رقم (7160)، مسند ابی یعلیٰ رقم (6105)، البانی نے اسے صحیح کہا (صحیح الترغیب والترھیب رقم 3280)

اور یہ بھی کہ زیادہ سے زیادہ مخلوق آپؐ سے فائدہ پائے، امت کے لیے آپؐ ذریعۂ خیر و برکت ہوں اور خود آپؐ کے لیے امت۔ البتہ آپؐ نے بادشاہ بننا اختیار نہیں کیا تاکہ آپؐ کے ہاں کوئی کمی واقع نہ ہو؛ کیونکہ جتنا سرداری اور مال سے دنیا میں حظ ملے گا اتنی آخرت کے حصے میں کمی واقع ہو گی۔ چنانچہ ایک "رسول، عبد "اللہ کے نزدیک بہ نسبت ایک "نبی، بادشاہ" کے زیادہ بلند تر درجہ رکھے گا۔ یہ وجہ ہے کہ نوح ،ابراہیم ،موسیٰ اور عیسیٰ افضل اور برگزیدہ تر ہیں بہ نسبت داود ،سلیمان اور یوسف کے۔ بلکہ (اس امر کے باعث) یہاں تک ہوا ہے کہ اہل کتاب میں سے کئی ایک سرے سے داؤد اور سلیمان کی نبوت میں طعن کرنے لگے، جیسا کہ بہت سے لوگوں کا یہ حال دیکھنے میں آتا ہے کہ وہ کسی خدا رسیدہ شخص کے پاس دولت اور اقتدار کی ریل پیل دیکھیں تو اس کی ولایت (اللہ کا ولی ہونے) میں طعن کرنے لگتے ہیں، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہوتا۔

قرآنِ مجید میں صالح بادشاہوں کا ذکر:

یہ تو ہوئی انبیاء کی بات۔ جہاں تک صالحین میں سے بادشاہ ہو گزرنے کا تعلق ہے تو کلامِ خداوندی میں ہم دیکھتے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (البقرۃ:247)

اور انہیں ان کے نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے تو کہنے لگے بھلا اس کی ہم پر بادشاہت کیسے ہو سکتی ہے؟ اس سے تو بہت زیادہ حقدار بادشاہت کے ہم ہیں، اس کو تو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی۔ نبی نے فرمایا سنو، اللہ تعالیٰ نے اسی کو تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی برتری بھی عطا فرمائی ہے بات یہ ہے کہ اللہ جسے چاہے اپنی بادشاہی دے، اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ (البقرۃ:248)

ان کے نبی نے انہیں پھر کہا کہ اس کی بادشاہت کی ظاہری نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا

ذوالقرنین کے بارے میں فرمایا:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا (الکہف:83۔84)

آپ سے ذوالقرنین کا واقعہ یہ لوگ دریافت کر رہے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ میں ان کا تھوڑا سا حال تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں۔ ہم نے اسے زمین میں قوت عطا فرمائی تھی اور اسے ہر چیز کے سامان بھی عنایت کر دیے تھے

مجاہدؒ کہتے ہیں: زمین کی بادشاہی دو مومنوں کو ملی اور دو کافروں کو۔ دو مومن: سلیمانؑ اور ذوالقرنینؒ۔ دو کافر: بخت نصر اور نمرود۔ پانچواں شخص جسے روئے زمین کی بادشاہی ملے گی اس امت سے ہو گا۔

اس کے علاوہ قرآن میں موسیٰ کا بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے یہ فرمانا:

يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا (المائدۃ:20)

اے میری قوم کے لوگو! اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا ذکر کرو کہ اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمہیں بادشاہ بنا دیا

جبکہ جنسِ ملوک کا ذکر قرآن میں علیحدہ سے ہے اور متعدد مقامات پر ہے، مثال کے طور پر:

وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا (الکہف:79)

اور ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا کہ ہر ثابت کشتی زبردستی چھین لیتا

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ (یوسف:43)

اور بادشاہ نے کہا: میں نے خواب میں دیکھیں سات گائیں فربہ کہ انہیں سات دُبلی گائیں کھا رہی ہیں۔

قیامِ دین

"کتاب" اور "فولاد" کا یکجا ہونا

راعی و رعایا؛.. کس مقصد کو بروئے کار لانے کے لیے؟[61]

اور شیخ الاسلام قدَّس اللهُ رُوحَہ نے فرمایا:

جان لو؛ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو ہدیٰ اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اس لیے کہ وہ اسے (جنسِ) دین پر غالب کر کے چھوڑے۔[62] آپ ﷺ کی امت کے لیے اللہ نے

---

[61] اس باب میں، مؤلف (ابن تیمیہؒ) کا ایک جملہ [السياسة الشرعية {ص 21}] داعیانِ اسلام کے یہاں مقولہ بن گیا ہوا ہے: [المقصودُ الواجبُ بالولايات: إصلاحُ دينِ الخلق.. وإصلاحُ ما لا يقومُ الدينُ إلا بِهِ مِن أمرِ دُنياهم "ولایات (سیاسی عہدوں) سے جو مقصودِ واجب ہے، وہ ہے: مخلوق کا دین سنوارنا... نیز ان کے وہ دنیوی امور سنوارنا جن کے بغیر دین کھڑا نہیں رہ سکتا"]۔

[62] [لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ] کے تحت: تفسیرِ ماثور کے ایک بڑے امام، ابن جریرؒ جس قول کو اختیار کرتے ہیں، پھر اسے ابوہریرہؓ سے بھی روایت کرتے ہیں، وہ ہے: نزولِ عیسی کے وقت جا کر تمام انسانیت کا محمد ﷺ کی تابعداری میں آ جانا۔ (دیکھیے طبری، سورۃ الصف آیت 9)۔ مقصد، اسلام کی پیش قدمی کا ایک سلسلہ تا قیامت جاری۔ تفسیر ماثور کا ایک دوسرا بڑا نام ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر جن احادیث سے کرتے ہیں ان میں سے چند ایک: [إِنَّ اللَّهَ زَوَى لِيَ الْأَرْضَ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، وَسَيَبْلُغُ مُلْكُ أُمَّتِي مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا "اللہ نے زمین کو اس کے سب مشارق اور مغارب سمیت میرے لیے سکیڑ دیا؛ اور جہاں جہاں تک زمین میرے لیے سکیڑی گئی وہاں وہاں تک میری امت کی بادشاہی پہنچے گی" (السلسلة

الصحيحة 2)]۔اور[لَيَبْلُغَنَّ هَذَا الأمرُ مَا بَلَغَ الليلُ وَالنَّهَارُ، وَلَا يَتْرُكُ اللَّهُ بَيْتَ مَدَر وَلَا وَبَر إِلَّا أَدْخَلَهُ هَذَا الدِّينَ، بعِزِّ عَزِيزٍ، أَوْ بِذُلِّ ذَلِيلٍ، عِزًّا يُعِزُّ اللَّهُ بِهِ الْإِسْلَامَ، وَذُلًّا يُذِلُّ اللَّهُ بِهِ الْكُفْرَ "یہ سلسلۂ اسلام وہاں وہاں پہنچ کر رہے گا جہاں جہاں دن اور رات کی پہنچ ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ کوئی گھر چھوڑے گا اور نہ جھگی جہاں وہ اِس دین کو داخل نہ کر دے، عزت والے کو عزت دیتے ہوئے اور ذلت والے کو ذلت۔ عزت جو اللہ اسلام کو دے گا اور ذلت جو اللہ کفر کو دے گا"(السلسلة الصحيحة 3)]۔اور [لَا يَذْهَبُ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ حَتَّى تُعْبَد اللاتُ والعُزّى". فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنْ كُنْتُ لَأَظُنُّ حِينَ أَنْزَلَ اللَّهُ، عَزَّ وَجَلَّ: {هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ} أَنَّ ذَلِكَ تَامٌّ، قَالَ: "إِنَّهُ سَيَكُونُ مِنْ ذَلِكَ مَا شَاءَ اللَّهُ، عَزَّ وَجَلَّ، ثُمَّ يَبْعَثُ اللَّهُ رِيحًا طَيِّبَةً فَيَتَوَفَّى كُلَّ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّة خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ فَيَبْقَى مَنْ لَا خَيْرَ فِيهِ، فَيَرْجِعُونَ إِلَى دِينِ آبَائِهِمْ"رات دن ختم نہ ہوں گے جب تک لات اور عزیٰ کی پوجا نہ ہونے لگے۔ تب میں (عائشہ) نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے جب یہ آیت اتاری: هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ تو میں نے سمجھا کہ اسی پر معاملہ ختم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ رہے گا جتنی دیر اللہ چاہے گا، پھر اللہ ایک خوشگوار ہوا چلائے گا، جس سے ہر وہ آدمی جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان ہو دنیا سے اٹھ جائے گا اور ایسے لوگ رہ جائیں گے جن میں کچھ بھی خیر نہ ہو، تب وہ اپنے اجداد کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے"(صحيح مسلم: 2907)](دیکھیے ابن کثیر، سورۃ توبہ آیت 33)۔ مسلم کی اس حدیث سے بھی واضح یہی ہے کہ اسلام کی پیشقدمی کا یہ سلسلہ اہل ایمان کے زمین سے اٹھا لیے جانے تک چلے گا (دورِ صحابہؓ تک محدود نہیں)۔ جبکہ اس سے پہلی احادیث سے تو یہ واضح ہے ہی۔ پھر واقعہ بھی یہی ہے: براعظموں کے براعظم دورِ نبوت اور دورِ صحابہ کے بہت بہت بعد بھی اسلام کے زیر نگیں، اور قوموں کی قومیں اپنے بتکدے توڑ حلقہ بگوشِ اسلام ہوتی چلی گئیں۔ پسپائی کے ناقابل یقین واقعات—مانندِ یورشِ تاتار—کے بعد بھی اسلام کے لشکر پھر اٹھے اور ملکوں کے ملک

دین کو مکمل کر دیا، آپ ﷺ پر اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا، آپ ﷺ کو دین میں ایک واضح شریعت پر قائم فرما دیا، اور آپ ﷺ کو مامور فرمایا کہ اس (شریعت) ہی کا اتباع فرمائیں نہ کہ ان لوگوں کے راستے کا جو علمِ (آسمانی) سے کورے ہیں۔ نیز آپ ﷺ کو دی ہوئی کتاب کو پہلی کتب پر حاوی کر دیا، اور اس کی توثیق کرنے والی کر دیا، آپ ﷺ کے لیے ایک خصوصی شریعت اور منہاج وضع کیا آپ ﷺ کی امت کے لیے ہدایت کی خاص سنتیں مشروع فرمائیں۔ (ایسا) دین کبھی قائم ہونے والا نہیں بغیر کتاب کے اور بغیر میزان اور بغیر فولاد کے۔ اس دین کو "کتاب" چاہئے جو ہدایت دینے والی ہو۔ "فولاد" چاہئے جو نصرت دینے والا ہو، جیسا کہ فرمایا:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید:25)

ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی **تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں**، اور فولاد اتارا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اُس کو دیکھے بغیر اس کی اور اُس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔

چنانچہ جو "کتاب" ہے اس کے دم سے دین اور علم پایا جاتا ہے۔ جو "میزان" ہے اس کے

اسلام کی قلم رَو بناتے چلے گئے۔ (مشرقی یورپ کے متعدد ملکوں کا اسلام کے زیر نگیں آنا، یہاں تک کہ "یونائٹڈ سٹیٹس آف امیریکا" کا سلطنتِ عثمانی کو جزیہ دے چکا ہونا) فتنۂ تاتار کے کہیں بعد کا واقعہ ہے)۔ اس عمل میں بہت سے اتار چڑھاؤ بے شک آئے اور آتے رہیں گے، تاوقتیکہ یہ پورے روئے زمین پر ایک بار دینِ محمدؐ کا جھنڈا گاڑ نہ لے۔ کتبِ عقیدہ میں جہاد کا قیامت تک رہنا من جملہ "اصولِ اہل سنت" کے درج ہے۔

دم سے حقوق، مالیات، اور معاشی و سماجی ذمہ داریاں ہیں۔ اور جو "حدید" ہے اس کے دم سے حدیں قائم رہتی ہیں کافروں اور منافقوں ہر دو کے حق میں۔

یہی وجہ ہے کہ ان آخری زمانوں تک آتے آتے "کتاب" علماء اور عبادت گزاروں کی پہچان بن گئی ہے۔ "میزان" وزراء، وثیقہ نویسوں اور اہل دیوان (افسرانِ محکمہ جات) کے ساتھ خاص ہو گئی ہے۔ اور "فولاد" امراء اور سپاہ کے ساتھ۔

"کتاب" سے صلاۃ۔ اور "فولاد" سے جہاد۔

اکثر آیات اور احادیث کا "صلوٰۃ" اور "جہاد" سے متعلق آنا

یہ وجہ ہے کہ اکثر آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی "صلوٰۃ" اور "جہاد" سے متعلق وارد ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ آپ دیکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ مریض کی عیادت کرتے ہوئے جو دعائیہ کلمات کہتے ہیں وہ یوں ہیں:

اللَّهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ يَشْهَدْ لَكَ صَلَاةً؛ وَيَنْكَأْ لَكَ عَدُوًّا

اے اللہ! اپنے اس بندے کو شفاء فرما؛ کہ یہ تیرے لیے نماز میں حاضری دے لے، اور تیرے کسی دشمن کو زک پہنچالے۔

نیز نبی ﷺ کا یہ فرمان:

رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ وَعَمُودُهُ الصَّلَاةُ وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

معاملے کا سر اہے: اسلام۔ اور اس کا ستون (جس پر وہ بلند ہوتا ہے) وہ ہے نماز۔ اور اس کے کوہان کو چوٹی ہے: جہاد فی سبیل اللہ۔

اسی طرح قرآن کے بہت سے مقامات پر نماز اور جہاد کو یکجا کر دیا، مثلاً یہ فرمانِ الٰہی:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (الحجرات:15)

مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لائیں، پھر شک و شبہ نہ

کریں اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں۔

یہاں "ایمان" کا ذکر ہوا، جبکہ نماز اعمالِ اسلام میں پہلا عمل ہے اور اعمالِ ایمان میں سب سے بنیادی چیز، یہی وجہ ہے کہ اللہ نے نماز کو قرآن میں "ایمان" ہی کا نام دے دیا، فرمایا: **وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ** (البقرۃ:143) "اللہ کبھی تمہارا ایمان ضائع کرنے والا نہیں"۔ سلف کی تفسیر کی رو سے "ایمان" جس کو اللہ ضائع کرنے والا نہیں، سے یہاں مراد ہے وہ نمازیں جو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی تھیں۔

نیز قرآن کا یہ مقام:

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ (التوبۃ:19)

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلا دینا اور مسجد حرام کی تعمیر و آبادی کرنا اس کے برابر کر دیا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرے؟ یہ اللہ کے نزدیک برابر کے نہیں۔

اسی طرح قرآن کا یہ مقام:

فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ (المائدۃ:54)

تو اللہ بہت جلد ایسے لوگوں کو لائے گا جن سے اللہ محبت کرتا ہو گا اور وہ بھی اللہ سے بہت محبت کرتے ہوں گے، وہ نرم دل ہوں گے مومنوں پر، سخت گیر ہوں گے کافروں پر، اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والی کی ملامت کی پروا بھی نہ کریں گے۔

چنانچہ یہاں "محبت" کا ذکر ہوا جو کہ "نماز" کی اصل حقیقت ہے۔

نیز یہ آیت:

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا (الفتح:29)

محمدؐ ہیں اللہ کے رسول۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں رحمدل۔ تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں۔

یہاں آپ دیکھتے ہیں: "رکوع اور سجدوں میں پڑے رہنے والے لوگ" جو "کافروں اور کج روؤں" پر نہایت شدید ہیں۔

ادھر صحیح حدیث میں آتا ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ: أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: إِيمَانٌ بِاللَّهِ وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ فَقِيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ثُمَّ حَجٌّ مَبْرُورٌ۔

نبی ﷺ سے پوچھا گیا: کونسا عمل فضیلت میں سب سے بڑھ کر ہے؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ ایمان لانا اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ عرض کی گئی: اس کے بعد کونسا عمل؟ فرمایا: حجِ مبرور۔

جبکہ ایک دوسری صحیح حدیث میں نبی ﷺ "ایمان" کی جگہ "نماز" کا ذکر کرتے ہیں، یہ عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے جو رسول اللہ ﷺ سے عین انہی الفاظ میں سوال کرتے ہیں:

أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ الصَّلَاةُ فِي وَقْتِهَا قَالَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قَالَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔

کونسا عمل فضیلت میں سب سے بڑھ کر ہے؟ فرمایا: نماز اپنے وقت پر۔ انہوں نے عرض کی: پھر کونسا؟ فرمایا: والدین کے ساتھ حسن سلوک۔ عرض کی: پھر کونسا؟ فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ۔

چنانچہ "ایمان" میں "نماز" خصوصی طور پر داخل ہے۔ یہاں رسول اللہ ﷺ نے پہلے نمبر پر "بِرُّالوالدین" کو ذکر نہیں کیا؛ کیونکہ ہر کسی کے والدین نہیں ہیں۔ چنانچہ پہلی بات اپنی مطلق دلالت کے ساتھ ہے، جبکہ دوسری بات اس شخص کے ساتھ مقید ہے جو والدین رکھتا ہے۔

امیر ہی "صلوٰۃ" کا امام، امیر ہی "جہاد" کا امام

یہ وجہ ہے کہ یہ سنت عہدِ رسول اللہ ﷺ سے لے کر، خلفائے راشدین، اور پھر اموی وعباسی دولت میں خلفائے راشدین کے اسوہ پر چلنے والے اولیاء الامور میں، بڑی دیر تک چلتی آئی ہے کہ: مسلمانوں کا امام ان دونوں بنیادی امور میں مسلمانوں کا امام ہوتا: "نماز" اور "جہاد"۔ یعنی جو "نماز" میں ان کا امام ہے وہی "جہاد" میں ان کا امام ہے۔ چاہے سفر کا معاملہ ہو چاہے حضر کا؛ ہر دو حالت میں "جہاد" اور "نماز" کا امیر ایک ہی شخص ہوتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی آدمی کو کسی شہر کا والی بناتے ہیں، جیسے عتاب بن اسیدؓ کو مکہ کا والی بنایا، عثمان بن العاصؓ کو طائف کا والی بنایا، یا دیگر کو کسی جگہ کا والی بنایا، تو وہی شخص ان کو نماز پڑھاتا اور وہی ان کے مابین حدود قائم کرتا۔ اسی طرح آپ ﷺ کسی شخص کو غزوہ وغیرہ میں امیر مقرر فرماتے جیسے زید بن حارثہؓ اور ان کے بیٹے اسامہؓ یا عمرو بن عاصؓ وغیرہ کو جہادی مہم کا امیر بنایا، تو وہ امیر ہی ان کو نماز پڑھاتا۔ یہ وجہ ہے جو مسلمانوں نے (رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد) استدلال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا حضرت ابو بکرؓ کو نماز میں آگے کرنا در حقیقت امامتِ عظمیٰ کے لیے ہی آگے کرنا تھا۔

یہی معاملہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے کمانڈروں کا رہا مانند یزیدؓ بن ابی سفیانؓ، خالدؓ بن الولید، شرحبیلؓ بن حسنہ اور عمروؓ بن العاص وغیرہ؛ امیرِ جنگ ہی امامِ نماز ہوتا۔

حضرت عمر بن الخطابؓ نے کوفہ میں اپنے نائب مقرر فرمائے تو ان کی ذمہ داریاں یوں

رکھیں: عمار بن یاسرؓ کو جنگ اور نماز کی ذمہ داری دی گئی۔ ابن مسعودؓ کو قضاء اور بیت المال، جبکہ عثمانؓ بن حنیف کو خراج پر مقرر کیا گیا۔

مسلمانوں میں تین ولایتیں چلی آنے کی روایت

حضرت عمرؓ کے اِسی عمل سے بعد ازاں مسلمانوں کے ہاں تین مستقل ولایتیں تشکیل پا گئیں: ولایتِ حرب، ولایتِ خراج اور ولایتِ قضاء۔ دراصل مسلمان جب ہر طرف پھیل گئے اور شہروں کے شہر کافروں کے ہاتھ سے نکل کر مسلمانوں کے پاس آ گئے تو یہاں پہلے سے مختلف ایک انتظام و انصرام کی ضرورت سامنے آئی۔ تب حضرت عمر بن الخطابؓ نے جو کہ وقت کے امیر المومنین تھے کچھ خصوصی اقدامات فرمائے جن میں "دیوان" کا قیام بھی شامل ہے جس میں دیوانِ خراج بھی آتا ہے جو کہ وارد شدہ اموال کے لیے مختص تھا اور دیوانِ عطاء بھی جو کہ خرچ ہونے والے اموال اور وظائف کے لیے مختص تھا۔ حضرت عمرؓ کے اِن خصوصی اقدامات میں کچھ نئے شہروں کی تعمیر بھی آتی ہے مانند کوفہ، بصرہ اور فسطاط؛ جس میں آپؓ کے پیش نظر یہ تھا کہ آپؓ کے (مدینہ) اور مسلم افواج کی بڑی بڑی چھاؤنیوں کے درمیان دجلہ، فرات یا نیل وغیرہ ایسا کوئی عظیم دریا نہ پڑتا ہو؛ چنانچہ یہ نئے شہر اِن دریاؤں کے لحاظ سے مدینہ کی طرف پڑتے تھے۔

سربراہوں کے ایوان وہیں، جہاں نمازیوں کے مجمع

فَصْلٌ:

وَكَانَتْ "مَوَاضِعُ الْأَئِمَّةِ وَمَجَامِعُ الْأُمَّةِ " هِيَ الْمَسَاجِدَ

مسلم ائمہ و امراء کی پیش گاہیں وہی تھیں جو امت کی اجتماع گاہیں تھیں یعنی مساجد: نبی ﷺ نے اپنی مسجد مبارک جس تقویٰ پر تاسیس فرمائی تھی اُس میں صلوٰۃ بھی تھی۔ قراءت بھی، ذکر بھی، تعلیم و نشرِ علم بھی، خطبے بھی، سیاست بھی، جنگ کے عَلَم بھی وہیں

سے باندھ کر دیے جاتے اور جنگ کے امیر بھی وہیں سے تقرر پاتے، عہدے، ذمہ داریاں سب وہیں تشکیل پاتیں۔ مسلمان وہیں پر آپ کے ساتھ مجالس کرتے، وہیں صلاح مشورے ہوتے اور وہیں دین و دنیا کے سب اہم امور طے پاتے۔

یہی معاملہ آپ ﷺ کے عمال کا رہا جو مکہ، طائف، یمن کے مختلف شہروں اور دیگر آبادیوں میں سیادت کے فرائض سرانجام دیتے۔ اسی طرح بدوی قبائل میں آپ ﷺ کے مقرر کردہ عمال کا دستور تھا۔ ان کی ایک ہی اجتماع گاہ ہوتی، جہاں نماز بھی ادا ہوتی اور سیاست کے امور بھی انجام پاتے۔ یہی وہ "سیاست" ہے جو نبی ﷺ کی اِس حدیث سے واضح ہو کر ہمارے سامنے آتی ہے:

إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَ تَسُوسُهُمْ الْأَنْبِيَاءُ؛ كُلَّمَا ذَهَبَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ تَعْرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: أَوْفُوا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ وَاسْأَلُوا اللَّهَ لَكُمْ؛ فَإِنَّ اللَّهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ

بنی اسرائیل کا معاملہ یوں تھا کہ ان کے معاملات سیاست انبیاء چلاتے رہے، جب کوئی نبی دنیا سے جاتا تو اس کا جانشین کوئی نبی ہی ہوتا۔ اب یقیناً میرے بعد کوئی نبی تو نہیں ہے۔ ہاں خلفاء ہوں گے اور بہت زیادہ ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کی: تو آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: جس کی بیعت دوسرے سے پہلے ہو جائے اُسی کی بیعت نبھاتے چلے جانا۔ تم ان کو ان کا حق دیتے رہنا؛ کیونکہ اللہ نے جو کچھ ان کی رعیت میں دیا اُس کی بابت اُن سے وہ خود سوال کرنے والا ہے۔

خلفاء اور امراء عام مسلمانوں کی طرح اپنے گھروں میں صرف رہائش کرتے تھے، تاہم "امام" کی نشست گاہِ عام "مسجدِ جامع" ہی ہوا کرتی تھی۔ یہاں تک کہ ہمیں یہ واقعہ ملتا ہے کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کروالیا تھا جہاں لوگوں کی رسائی

حسب دستور نہ ہو رہی تھی۔ اس پر (خلافت کے اقدام کا ذرا اندازہ کر لیں) امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ نے محمد بن مسلمہؓ کو خصوصی مہم کے ساتھ کوفہ روانہ فرمایا اور وہ یہ کہ سعدؓ بن ابی وقاص کا محل نذرِ آتش کر آئیں۔ محمد بن مسلمہؓ کوفہ پہنچے، ایک عیسائی سے ایندھن کی لکڑی خریدی؛ سودے میں یہ شامل تھا کہ وہ لکڑی محل تک پہنچا کر دے گا، اور یوں سعدؓ کا وہ محل نذرِ آتش کر دیا گیا۔ عمر بن الخطابؓ کو اس قدر ناپسند تھا کہ والی اپنی رعایا کی نظروں سے روپوش ہو رہے۔ البتہ بعد کے دور میں امراء کے محلات تعمیر ہونے لگے۔

معاویہؓ کے دورِ امارت میں ہوا یوں کہ جب حضرت علیؓ ایک قاتلانہ حملے میں جان دے گئے تو معاویہؓ کو بھی خوف لاحق ہوا اور اِس خطرے کے پیشِ نظر وہ عامۃ الناس سے روپوش رہنے لگے۔ یہاں سے جامع مسجدوں میں مقاصیر (تخلیہ گاہوں) کا رواج پڑ گیا۔ مساجد میں یہ خصوصی گوشے وہ تھے جہاں سلطان اور اس کے حاشیہ بردار نماز ادا کرتے۔ اسی طرح امراء کے لیے ڈولیوں کا رواج پڑ گیا۔ پھر بعد کے خلفائے ملوک اس معاملہ میں معاویہؓ ہی کی رِیت پر چل پڑے۔ تب باوجود اس کے کہ وہ امراء ہی جنگ اور نماز میں لوگوں کے امیر تھے، اور جمعہ، جماعت، جہاد اور اقامتِ حدود ایسے فرائض یہ خود ہی انجام دیتے، ان کے محلات بھی پائے جانے لگے جن میں یہ رہائش رکھتے اور کچھ عمائدین ان کو ملنے اور سرکاری معاملات میں ان سے رجوع کرنے کے لیے وہیں پہنچنے لگے۔ مثلاً بنی امیہ کا محل "الخضراء" جو مسجد جامع سے متصل قبلے کی طرف پڑتا تھا۔ جبکہ مساجد میں عبادات اور علم و تعلیم وغیرہ کے لیے اکٹھے ہوتے۔

پھر جو زمانۂ دراز گزرا، اور امت کٹ پھٹ گئی، ہر گروہ نے دین کا کوئی ایک شعبہ سنبھال لیا اور پھر اس میں اپنے پاس سے اضافے کرنا شروع کر دیے؛ جس فریق کے پاس دین کا جو

شعبہ آیا وہ اپنے اُس شعبے کے ماسوا شعبے نظر انداز کرنے لگا۔ تب یوں ہوا کہ ملوک اور امراء اپنے اپنے لیے قلعے اور گڑھیاں بنانے لگے۔ پیش ازیں قلعے اور گڑھیاں ہوتی تھیں صرف سرحدی علاقوں میں، تاکہ حفاظت کے لیے ناکافی نفری کی صورت میں دشمن کے حملے یا چھاپے سے تحفظ ہو۔ شام (جو رومیوں کی سرحد پر تھا) کے ان سرحدی علاقوں کو مسلمانوں کے یہاں "عواصم" (پناہ گاہیں) کہا جاتا تھا جیسے قنسرین اور حلب۔

ادھر اہل علم کے لیے مدارس ایجاد ہوئے۔ شب گاہیں اور خانقاہیں اہلِ تعبد کے لیے ایجاد ہوئیں۔ میرا اندازہ ہے، یہ چیز دولتِ سلاجقہ میں جا کر ہوئی۔ شروع شروع میں یہ چیز مدارس اور غریب نادار لوگوں کے لیے شب گاہوں کی صورت سامنے آئی۔ البتہ نظام الملک کی وزارت میں ان مدارس اور شب گاہوں کے لیے اموال اور جاگیریں وقف کی جانے لگیں۔ مدارس اور شب گاہوں کا ذکر گو اِس سے پہلے ملتا ہے لیکن میرا اندازہ ہے ان کے لیے باقاعدہ اوقاف نہیں تھے، بس یہ کچھ مختص رہائشیں ہوتی تھیں۔ امام معمر بن زیاد جو کہ امام واحدی کے اصحاب میں آتے ہیں، "اخبار الصوفیہ" میں ذکر کرتے ہیں کہ صوفیہ کی پہلی خانقاہ جو بنی وہ بصرہ میں تھی۔ جہاں تک مدارس کا تعلق ہے تو اس کا ذکر میں نے دولتِ سلاجقہ سے پہلے چوتھی صدی میں بھی پڑھا ہے جبکہ سلجوقیوں کی دولت پانچویں صدی میں ہوئی۔ اسی طرح یہ قلعے اور گڑھیاں؛ ان میں سے اکثر بعد میں ایجاد ہوئیں (ابتدا میں نہ تھیں)، جیسا کہ الملک العادل (صلاح الدین ایوبی کے بھائی اور جانشین) نے دمشق، بصریٰ اور حران کے قلعے تعمیر کروائے، جس کی وجہ یہ تھی کہ عیسائی اب بہت زیادہ چڑھائی کرنے لگے تھے اور مسلمان تیسری صدی کے بعد سے ہی نصاریٰ کے مقابلے پر اپنے ان ساحلوں کا دفاع کرنے میں کمزور پڑنے لگے تھے یہاں تک کہ ہوتے ہوتے نصاریٰ (صلیبی) شام کے بہت سے ساحلی سرحدی علاقوں پر قابض ہو گئے تھے۔

"خلافت"، "سلطان" اور "ظِلُّ اللہ"

فَصْلٌ: فِي " الْخِلَافَةِ وَالسُّلْطَانِ " [63] وَكَيْفِيَّةِ كَوْنِهِ ظِلَّ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ

خلافت و سلطان "زمین میں اللہ کا سایہ" کس معنیٰ میں

قرآن کا ایک مقام:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً

اور جب فرمایا تیرے رب نے فرشتوں سے: میں پیدا فرمانے والا ہوں زمین میں ایک جانشین۔

قرآن مجید کا دوسرا مقام:

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

اے داؤد! ہم نے بنایا تم کو جانشین زمین میں۔ پس تو فیصلے کر لوگوں کے، حق کے ساتھ؛ اور من کی پیروی مت کر؛ کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی۔

پہلی آیت میں مذکورہ الفاظ (إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً) آدمؑ اور اولادِ آدم دونوں

---

[63] یہاں ایک قابل توجہ چیز: لفظ "سلطان" کا "خلیفہ" پر نہیں بلکہ "خلافت" پر معطوف ہونا؛ کیونکہ "سلطان" اصل میں کسی 'شخص' کا نام یا لقب نہ ہوتا تھا، البتہ مستعمل ضرور تھا (متقدمین کے ہاں)۔ اس امر کی وضاحت فصل کے اختتام پر ایک حاشیہ میں۔

کو شامل ہے۔ تاہم آدمؑ کا اس لفظ سے مراد ہونا "عینی" ہے (جبکہ اولادِ آدم کا اس سے مراد ہونا "نوعی" ہوگا)۔ جیسے آدم کا معیّن طور پر ان آیات میں مراد ہونا: [لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ "بے شک ہم نے انسان کو ایک خوب ترین وضع پر پیدا کیا"]۔ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ: [خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ "اُس نے انسان کو ٹھیکری جیسی کھنکتی مٹی سے پیدا کیا، اور جنات کو آگ کی لپٹ سے پیدا کیا"]، یہاں "انسان" سے عینی طور پر آدمؑ ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ اس طرح اللہ رب العزت کا یہ فرمان: [وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ "اُس نے انسان کی بناوٹ مٹی سے شروع کی، پھر اس کی نسل ایک بے وقعت پانی کے نچوڑ سے چلائی۔ جسے ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں اپنی روح پھونکی"] یہ عینی طور پر آدمؑ کے لیے ہوگا اور نوعی طور پر بنی آدم کے لیے۔ قرآن میں اس کے اور بھی مقامات ہیں۔

آدمؑ اور داؤدؑ کے مابین کچھ خاص مناسبتیں

یہ وجہ ہے کہ داؤد اور آدم کے مابین کچھ خاص ایسی مناسبت پائی گئی جس کے باعث (عالم ارواح میں) اپنی ذریت کا معائنہ کرتے ہوئے آدمؑ کی نظر اپنے ایک بیٹے داؤدؑ پر ہی ٹک گئی۔ آدم نے دریافت کیا کہ ان کی عمر کتنی ہوگی، جواب ملا: چالیس سال۔ تب آدم نے اپنی عمر سے جو کہ ہزار سال تھی، ساٹھ سال داؤد کے نام کر دیے۔ یہ حدیث صحیح ہے اور ترمذی و دیگر کتب حدیث میں مروی ہوئی ہے، خود ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔ یہی مناسبت ہمیں دونوں (آدمؑ و داؤدؑ) کی ابتلاء میں نظر آتی ہے کہ ہر دو سے ایک ایک خطا سرزد ہوتی ہے۔ دونوں کی خطا کے مابین بھی ایک مناسبت ہے، کیونکہ دونوں خواہشیں

بلحاظِ جنس ایک ہی ہیں۔ دونوں کی توبہ قبول ہوتی ہے اور اس توبہ کی شان یہ ٹھہرتی ہے کہ ہر دو کو ایک رتبۂ عظیم دیا جاتا ہے؛ جس کے دم سے ان کو اللہ کی محبت اور اللہ کی خوشی نصیب ہوتی ہے۔ دونوں کا بہت بہت رونا، ندامت اور افسوس کرنا بھی مذکور ہے، جو ان دونوں کے مابین ایک خصوصی مناسبت کرواتا ہے۔

امام کو "خلیفہ" کہا جانا

"خلیفہ" کا مطلب ہے کسی دوسرے کی جگہ لینے والا۔ قائم مقام۔ صَرف میں یہ فعِیْلَة کے وزن پر آتا ہے اور فاعل کا معنٰی دیتا ہے۔ نبی ﷺ جس وقت سفر پر روانہ ہوتے تو دعا گو ہوتے: [اللَّهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ "خدایا! تو ہی ساتھی سفر میں، اور تو ہی پیچھے گھر (کو سنبھالنے) والا"]۔ حدیث میں یہ لفظ یوں بھی آتا ہے: [مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَهُ فِي أَهْلِهِ بِخَيْرٍ فَقَدْ غَزَا "جس نے کسی غازی کو سروسامان سے لیس کیا وہ خود غازی ہوا (بلحاظِ اجر)۔ اور جس نے پیچھے ٹھہر کر گھر میں اس (کے معاملات) کی اچھی دیکھ بھال کی، وہ خود غازی ہوا"]۔ اسی طرح یہ لفظ اس حدیث میں آیا ہے: [أَوَكُلَّمَا خَرَجْنَا فِي الْغَزْوِ خَلْفَ أَحَدِهِمْ وَلَهُ نَبِيبٌ كَنَبِيبِ التَّيْسِ يَمْنَحُ إِحْدَاهُنَّ اللَّبِنَةَ مِنْ اللَّبِنِ لَئِنْ أَظْفَرَنِي اللَّهُ بِأَحَدِ مِنْهُمْ لَأَجْعَلَنَّهُ نَكَالًا "تو کیا جب بھی ہم غزوہ پر نکلیں، ان میں سے کوئی پیچھے ٹھہر جائے گا، جس کی آواز بکرے کی (جفتی کی) کی آواز جیسی ہو گی، وہ کسی عورت کو تھوڑے سے دودھ پر بہلا لے گا؟ بخدا اگر خدا نے مجھ کو ان میں کسی ایک پر قابو دے دیا تو میں اس کو عبرت بنا کر چھوڑوں گا"]۔ اسی طرح قرآن میں اس لفظ کا مادہ ان الفاظ کے ساتھ آتا ہے: [سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ

الْأَعْرَابِ "ان اعراب میں سے پیچھے رہ جانے والے عنقریب تجھ سے کہیں گے"] نیز [فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ "پیچھے رہ جانے والے اپنے رسول اللہؐ کے پیچھے رہ جانے پر بڑے خوش ہیں"]۔

"خلیفہ" سے مراد ہوئی: جو کسی ایسی مخلوق کی جگہ لے جو اس سے پہلے وہاں تھی۔ اس "جگہ لینے" میں کوئی مناسبت ہونی چاہئے۔ جیسے ابو بکر صدیقؓ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ تھے؛ کیونکہ ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد امت میں آپ ﷺ کی جگہ سنبھالی تھی۔ خود اپنی زندگی میں نبی ﷺ جب کبھی حج یا عمرہ یا غزوہ پر روانہ ہوتے تو مدینہ میں "اپنی جگہ" کسی کو مقرر فرماتے اور اس کو "استخلاف" کہا جاتا۔ یعنی کچھ مدت کے لیے مدینہ میں آپؐ کا "قائم مقام"۔ کسی وقت آپ نے ابن ام مکتومؓ کو "قائم مقام" بنایا اور کسی وقت کسی اور کو۔ غزوۂ تبوک پر روانہ ہوتے وقت علیؓ بن ابی طالب کو "قائم مقام" بنایا۔ "مخالیف" ان جگہوں کو کہا جاتا ہے جہاں امام اپنے نمائندے چھوڑتا ہے؛ جیسے آتا ہے مخاليف اليمن یا مخاليف الحجاز (یمن کے یا حجاز کے وہ بڑے شہر جہاں خلیفہ کا عملہ تعینات ہے)۔ حدیث میں بھی آتا ہے: [من خرج من مِخلاف إلى مِخلاف یعنی "جو شخص ایک سرزمین کو چھوڑ کر دوسری سرزمین کو اپنا مسکن بناتا ہے"]۔ اسی باب سے قرآن کے یہ الفاظ ہیں: [وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ "اور وہی ہے جس نے زمین میں تم لوگوں کو (ایک دوسرے کی) جگہ لینے والا بنایا، اور ایک کا دوسرے پر رتبہ بڑھایا، تاکہ تم کو آزمائے ان چیزوں میں جو تم کو عطا کی ہیں"]۔ اسی طرح قرآنِ مجید کا یہ مقام: [وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا كَذَلِكَ نَجْزِي

الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ "ہم نے تم سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر دیا جبکہ انہوں نے ظلم کیا حالانکہ ان کے پاس ان کے پیغمبر بھی دلائل لے کر آئے، اور وہ ایسے کب تھے کہ ایمان لے آتے؟ ہم مجرم لوگوں کو ایسے ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے دنیا میں بجائے ان کے تم کو جانشین کیا"]۔

ابن عربی کا پیداکردہ مغالطہ: "خلیفہ" کا مطلب 'خدا کا نائب'!

بعض لوگ، مانند ابن عربی، مغالطہ کا شکار ہو کر یہ گمان پیدا کرنے لگے کہ یہاں "خلیفہ" سے مراد ہے اللہ کا خلیفہ بمعنٰی اللہ کا نائب۔ ان کا نظریہ ہے کہ (قرآن میں مذکورہ) استخلاف سے بھی یہی مراد ہے۔ کسی وقت وہ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا میں "اسماء" کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ (یہ اسماء و صفات ہیں) جس کے حقائق انسان میں جمع ہو گئے تھے۔ نیز وہ حدیث {خلق آدمَ علیٰ صورتہٖ "آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا"} کی تفسیر بھی کچھ اسی معنٰی میں کرتے ہیں۔ انہوں نے فلاسفہ سے یہ مذہب اخذ کر لیا کہ انسان ایک چھوٹا جہان ہے اور قریب ہے؛ جس کے ساتھ یہ عقیدہ شامل کیا کہ "خدا" ایک بڑا جہان ہے۔ یہ سب ان کے "وحدۃ الوجود" ایسے کفریہ اعتقاد کی بنیاد پر؛ اور یہ کہ اللہ تعالٰی ہی مخلوقات کی عین ہے۔ چنانچہ مظاہر میں انسان ہی وہ "نائب" ہوا جس میں "اسماء وصفات" جمع ہیں۔ اسی سے وہ (کفریہ روش) متفرع ہوتی ہے جس میں بالآخر اس دعوائے ربوبیت والوہیت کی نوبت آتی ہے جس سے یہ کہیں (فرعونیت) والے مذہب میں جا اترتے ہیں تو کہیں قرمطیہ تو کہیں باطنیہ والے۔

کسی وقت یہ "رسالت" کو بھی ایسے ہی مراتب میں سے ایک مرتبہ ٹھہراتے ہیں، اور

اپنے آپ کو اس سے بالاتر ٹھہرا لیتے ہیں۔ چنانچہ اقرار کرتے ہیں ربوبیت، وحدانیت، الوہیت اور رسالت کا، مگر جا پڑتے ہیں فرعونیت میں؛ اور یہ ہوا ان کا ایمان! یا پھر اپنے اعمال میں یہ اس "عبثیت" کی نوبت کو پہنچتے ہیں جس میں نہ ان پر کوئی امر ہو گا اور نہ نہی، نہ ان پر کوئی واجب اور نہ کوئی حرام۔

"اللہ کا خلیفہ" کوئی نہیں ہو سکتا

اللہ کے حق میں (یہ ماننا) جائز نہیں کہ اس کا کوئی خلیفہ ہو۔ یہ وجہ ہے، لوگوں نے جب حضرت ابو بکرؓ کو کہا: "اے اللہ کے خلیفہ"! تو حضرتؓ نے جواب دیا: "میں اللہ کا خلیفہ نہیں؛ میں تو رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ ہوں؛ اور میرے لیے یہ کافی ہے"۔ حق تو یہ کہ اللہ خود مخلوقات کے حق میں خلیفہ ہوتا ہے، جیسے نبی ﷺ کی دعائے سفر: اللَّهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ، اللّٰهُمَّ اصْحَبْنَا فِي سَفَرِنا واخْلُفِنَا فِي أَهْلِنَا "خدایا! تو ہی ساتھی سفر میں، اور تو ہی خلیفہ (پیچھے سنبھالنے والا) گھر میں، اے اللہ سفر میں ہمارا ساتھی ہو اور گھر میں ہمارا خلیفہ"۔ یہ اس لیے کہ اللہ **حيّ، شهيد، مهيمن، قيوم، رقيب، حفيظ، غنی عن العالمين، لاشريک** ہے جو کسی مددگار کا ضرورتمند نہیں، کوئی اُس کے اِذن بغیر اُس کے روبرو شفاعت کے لیے لب ہلانے کا مجاز نہیں۔ جبکہ "خلیفہ" (جانشین، قائم مقام) کا جو تصور ہے وہ کسی کے موت پا جانے، سفر اور رحلت کر جانے کے ساتھ وابستہ ہے، نیز اس میں "جانے والے" کی ضرورت اور احتیاج کا بھی ایک معنیٰ پایا جاتا ہے کہ کوئی اس کی جگہ سنبھالے۔ آپ ﷺ غزوہ کے لیے نکلتے تو "استخلاف" فرماتے، کیونکہ کوئی اور آپؐ کی غیر موجودگی میں آپؐ کے کام انجام دیتا۔ یہ سب معانی ظاہر ہے اللہ رب العزت کے معاملے میں غلط ٹھہریں گے؛ اللہ ان سے منزہ ہے؛ کیونکہ وہ حی (ہمیشہ زندہ) ہے، قیوم

(پائندہ، آسمان و زمین کو تھامنے والا) ہے، شہید (ہر جگہ حاضر) ہے، اس کو کبھی موت نہیں، کوئی روپوشی نہیں، وہ غنی ہے، رزق دیتا ہے، رزق مانگتا نہیں، اپنے بندوں کو کھلاتا ہے، ان کی نصرت فرماتا ہے، ان کو سچائی کی راہ دکھاتا ہے، اور خیریت و عافیت بخشتا ہے، اپنے پیدا کردہ ان تمام اسباب کے ذریعے جو اس کی مخلوق ہیں؛ پس اللہ مطلق غنی اور لائقِ تعریف ہے؛ آسمان و زمین اور ان کے مابین جو کچھ ہے اللہ اس کا مالک و فرماں روا ہے۔ وہ بنفسِ نفیس ان سب کو پالتا اور چلاتا ہے۔ یَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ "اسی کی سوالی ہے ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے، ہر روز اس کی نئی شان ہے"۔ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ "وہی ہے خدا آسمان میں اور وہی ہے خدا زمین میں"۔ ایسی ذات کے لائق نہیں کہ کوئی اس کا "خلیفہ" ہو، کوئی اس کا "جانشین" یا "قائم مقام" ہو؛ کیونکہ کوئی اس کا ہم نام نہیں، کوئی اس کا ہم سر نہیں۔ پس جو شخص (باطنی تصور کے ساتھ) خدا کا "خلیفہ" ٹھہرائے، وہ مشرک ہے۔[64]

---

64 مسئلہ کو تھوڑا کھول دینا ضروری معلوم ہوتا ہے، ورنہ کچھ الجھنیں یہاں سے پیدا ہو جانے کا امکان ہے۔ "خلیفہ" کی اضافت اللہ کی طرف نہ کرنے کا یہ جو مبحث ابن تیمیہؒ کے ہاں بیان ہوا، دراصل اس کی دو سطحیں ہیں:

ایک، "خلیفہ" کو لفظ الجلالۃ (اللہ) کا مضاف ٹھہرانے کا وہ باطنی مفہوم جو انسان کو ایک طرح سے اللہ کا پرتو ٹھہراتا ہے۔ اس میں ابن تیمیہؒ کا اس کے قائل کو مشرک تک کہہ دینا ایک سمجھ آنے والی چیز ہے۔

دوسری اس کی وہ سطح جس میں "خلیفۃ اللہ" کہنے والا اس کا وہ باطنی مفہوم دور دور تک نہ رکھتا ہو۔ ہاں اس سطح پر، مسئلہ میں علمائے سنت کی دو رائیں ہیں:

1. ایک رائے جو ابن تیمیہؒ کے ہاں اختیار ہوئی اور اوپر متن میں گزری۔ بظاہر اسی سے ملتی

جلتی رائے امام نوویؒ نے اختیار کی (دیکھیے "الأذكار" مؤلفه النووي كتاب: حفظ اللسان، باب في ألفاظ يكره استعمالها، فصل: النهي عن تسمية أحد خليفة الله. ص571)، اور ایسی ہی رائے الماوردیؒ کے ہاں بیان ہوئی جسے وہ جمہور علماء کا قول قرار دیتے ہیں (دیکھیے الأحكام السلطانية: فصل في وجوب معرفة الأمة لمن تولى أمرها ص 39)۔ اسی رائے کو ابن خلدونؒ نے جمہور کی رائے کہا ہے (دیکھیے مقدمہ ابن خلدون ج 1 ص 239) نوویؒ نے اس پر امام بغویؒ کا بھی حوالہ دیا ہے تاہم معلوم یہ ہوتا ہے کہ "اللہ کا خلیفہ" کہنے سے یہ ممانعت ان کے ہاں کسی متعین شخص کے حق میں یہ لفظ بولنے سے ہو رہی ہے نہ کہ جنسِ انسان کے حق میں۔ "شرح السنة" میں امام بغویؒ فرماتے ہیں: [ولا يُسمى أحدٌ خليفة الله تعالى بعد آدم وداود عليهما الصلاة والسلام. قال الله تعالى: إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً، وقال تعالى: يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خليفة" آدم اور داؤد کے بعد اب کسی کو اللہ کا خلیفہ نہ بولا جائے گا۔ آیت میں آیا: "بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں"۔ نیز آیت میں آیا: "اے داؤد بے شک ہم نے تجھے خلیفہ بنایا ہے" (شرح السنة، كتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة ج1 ص75)]۔ "خلیفہ" کو لفظ الجلالۃ (اللہ) کا مضاف نہ ٹھہرانا ہی ابن کثیرؒ کی رائے معلوم ہوتی ہے: سورۃ البقرۃ والی آیت کے تحت "خلیفہ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں: [خَلِيفَةً أَيْ: قَوْمًا يَخْلُفُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا قَرْنًا بَعْدَ قَرْنٍ وَجِيلًا بَعْدَ جِيلٍ، كَمَا قَالَ تَعَالَى: {**وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ**} (الْأَنْعَامِ: 165)}. وَقَالَ: {**وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ**} (النَّمْلِ: 62)}. وَقَالَ: {**وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ**} (الزُّخْرُفِ: 60)}. وَقَالَ {**فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ**} (مَرْيَمَ: 59)} "خلیفہ" یعنی ایک ایسی مخلوق جس کے لوگ ایک دوسرے کے جانشین بنتے جائیں گے زمانہ در زمانہ، نسلاً بعد نسلٍ۔ جیسا کہ آیت میں آیا: "وہی ہے جس نے تم لوگوں کو زمین کے خلائف بنایا" (الْأَنْعَامِ: 165)۔ "اور وہ بناتا ہے تم کو

زمین کے خلفاء"(النَّمْلِ: 62)۔"اور اگر ہم چاہتے تو تمہارے عوض زمین میں فرشتے کر دیتے جو جانشینی کرتے"(الزُّخْرُفِ: 60)۔"پھر ان کے بعد جانشینی کو وہ جانشین آئے"(مَرْيَمَ: 59)] (تفسیر ابن کثیر،البقرۃ30)۔یہی پوزیشن ابن جریر طبریؒ کی ہے:[آیت میں "خلیفہ" کی جو تفسیر ابن جریرؒ خود اختیار کرتے ہیں وہ ہے: زمین میں کسی اور مخلوق کی جگہ لینے والی مخلوق۔اور عبد اللہؓ بن عباسؓ سے ملنے والا ایک قول بھی اس کی تائید میں لائے ہیں۔ اوپر ابن کثیرؒ کی جو تفسیر ہوئی، طبری میں وہ بھی اقوال میں سے ایک قول کے طور پر آئی اور اسے حسن بصریؒ سے منسوب کیا گیا۔(دیکھیے تفسیر طبری،البقرۃ30)]۔(یہ سب دینے سے ہمارا ایک مقصد اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ہے کہ ابن تیمیہؒ "خلیفہ" کی اضافت اللہ کی طرف کرنے سے ممانعت فرمانے والے دنیا میں پہلے شخص ہیں! حالانکہ)ماثور تفاسیر کا عمومی رجحان اسی ("خلیفہ" کو لفظ الجلالۃ کا مضاف نہ ٹھہرانے) کی طرف ہے۔اور، جیسا کہ گزر چکا،الماوردی اور ابن خلدون اسے جمہور کی رائے کہتے ہیں۔

2. دوسری رائے یہ کہ انسان کو "اللہ کا خلیفہ" کہنا جائز ہے۔راغب اصفہانیؒ اپنی تفسیر میں اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے کہ استخلاف (جانشینی) تو کسی کے مرنے، سفر کر جانے یا اپنے کام کی ادائیگی سے قاصر ہو جانے کو متضمّن ہے، کہتے ہیں: [استخلاف کچھ اسی میں محصور نہیں۔ بلکہ آزمانے یا سکھانے کے لیے کوئی اپنی موجودگی میں بھی کسی کو اختیارات دے سکتا ہے۔ مثلاً بادشاہ کا وزیر کو اپنے اور رعایا کے مابین مقرر کرنا۔خود اللہ کا اپنے اور رسولوں کے مابین فرشتوں کو ذریعہ بنانا۔"خلیفہ" مفرد کے طور پر بھی آتا ہے اور جمع کے طور پر بھی۔ یہاں آیت میں یہ جمع کے طور پر آیا ہے۔ پس یہاں "خلیفہ" صرف آدم کے لیے نہیں بلکہ مراد آدم اور اس کی ذریت کے صالحین ہیں۔ پس یہ اللہ کے خلفاء اور اس کا حزب ہوئے (ملخص تفسیر راغب، البقرۃ آیت 30)]۔ابن جوزیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: [والخليفة :هو القائم مقام غيره، يقال :هذا خلف فلان وخليفته .قال ابن الأنباري :والأصل في الخليفة خليف، بغير هاء، فدخلت الهاء للمبالغة بهذا

الوصف، كما قالوا :علّامة ونسّابة .وفي معنى خلافة آدم قولان :أحدهما: أنه خليفة عن الله تعالى في إقامة شرعه، ودلائل توحيده، والحكم في خلقه، وهذا قول ابن مسعود ومجاهد. والثاني :أنه خلف من سلف في الأرض قبله، وهذا قول ابن عباس والحسن "**خلیفہ مطلب: کسی کا قائم مقام۔ بولنے میں آتا ہے: یہ فلاں کا خَلَف یا خلیفہ ہے (یہ شخص فلاں شخص کی جگہ ہے) انباریؒ کہتے ہیں: اصل میں لفظ خلیف ہے ھا کے بغیر۔ وصف میں اس کو مبالغہ دینے کے لیے ھا داخل ہوئی جیسے {علّام (بہت بڑا عالم) سے} علّامة (بہت ہی بڑا عالم) اور {نسّاب (انساب کا بڑا ماہر) سے} نسّابہ (انساب کا بہت ہی بڑا ماہر)۔ خلافتِ آدم کے معنٰی میں دو قول ہوئے: ایک یہ کہ: وہ اللہ کا خلیفہ ہے اس کی شرع کو قائم کرنے، دلائل توحید، اور اس کی مخلوق کے مابین فیصلے کرنے کے معاملہ میں۔ یہ ابن مسعودؓ اور مجاہدؒ کا قول ہے۔ دوسرا یہ کہ: زمین میں اس سے پہلے جو کوئی تھا یہ اس کا جانشین ہے۔ یہ ابن عباسؓ اور حسنؒ کا قول ہے۔ (دیکھیے ابن جوزی کی** زاد المسير في علم التفسير ج 1 ص 50**)]۔ بغویؒ جن کی تفسیر ابن تیمیہؒ کے ہاں اچھی تفاسیر میں مانی جاتی ہے، لکھتے ہیں: [**وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ خَلِيفَةُ اللَّهِ فِي أَرْضِهِ لِإِقَامَةِ أَحْكَامِهِ وَتَنْفِيذِ وَصَايَاهُ** " **صحیح یہ ہے کہ آدمؑ اللہ کے خلیفہ ہیں اُس کی زمین میں اُس کے احکام کو قائم کرنے اور اس کی تلقینوں کو نافذ کرنے میں**" **(دیکھیے** تفسير البغوى، البقرة آيت 30**)]**۔ رازیؒ بھی اپنی تفسیر میں اسی قول کی طرف گئے ہیں اور اسے ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ اور سدیؒ کا قول قرار دیتے ہیں (دیکھیے تفسیر مفاتيح الغيب ج 2 ص 389)۔ قرطبیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: [**وَهُوَ خَلِيفَةُ اللَّهِ فِي إِمْضَاءِ أَحْكَامِهِ وَأَوَامِرِهِ**" **اور وہ اللہ کے خلیفہ ہیں اُس کے احکام اور اوامر کا عملدرآمد کرنے میں**" **(دیکھیے** قرطبى ج 1 ص 263**)]**۔ دور حاضر میں نواب صدیق الحسنؒ، شنقیطیؒ، ابن بازؒ، ابن عثیمینؒ، قرضاوی وغیرہ بھی اسی رائے کی طرف گئے ہیں، یعنی اللہ کا خلیفہ کہنے کو جائز ماننا۔ (یہ سب دینے سے ہمارا ایک مقصد اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ہے کہ "اللہ کا خلیفہ" بولنے والے پہلے آدمی دنیا میں ابوالاعلیٰ مودودیؒ ہیں!)**

واضح رہے، پہلی رائے رکھنے والے ائمہ بھی ایک مخصوص معنٰی میں "خلیفۃاللہ" بولنے کو جائز سمجھتے ہیں؛اور اس بات کا تعلق لغت کی وسعت سے ہے۔ان کا کہنا ہے:

- انسان کو "اللہ کا خلیفہ" کہنا غلط ہے "زمین میں اللہ کا جانشین یا قائم مقام" کے معنٰی میں۔
- البتہ "اللہ کا خلیفہ" کہنا درست ہے اس معنٰی میں کہ یہ "اللہ کا کسی مخلوق کو ہٹا کر اس کی جگہ مقرر کردہ" ہے۔(یہ ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے: بادشاہ کا افسر، نہ اس معنٰی میں کہ وہ بادشاہ پر افسر ہے، بلکہ اس معنٰی میں کہ وہ بادشاہ کا تعینات کیا ہوا افسر ہے۔یا جیسے کہا جائے: فلاں مصور کی تصویر، نہ اس معنٰی میں کہ یہ اس مصور کی "اپنی شکل" ہے، بلکہ اس معنٰی میں کہ یہ اس مصور کی "بنائی ہوئی" یا "دی ہوئی" شکل ہے)۔

قرآن میں موسیٰ کا بنی اسرائیل سے فرمانا: [عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ "قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر کے زمین کی جانشینی تمہیں دے دے"]۔نیز اس امت کے اہل ایمان کو نوید [لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ "وہ ضرور انہیں زمین کی جانشینی بخشے گا جیسے ان سے پہلوں کو جانشینی بخشی"] وغیرہ مقامات عین اسی معنی میں ہیں۔یعنی منکرین کو ہٹا کر ان کی جگہ اہل ایمان کو زمین میں طاقت بخشنا۔یہ ہے استخلاف۔ جس میں کسی کو دوسرے کی جگہ لے کر آنا آتا ہے۔لے کر آنے والا چونکہ اللہ ہے، لہذا اس معنٰی میں خلیفہ یا خلفاء کی اضافت اللہ کی طرف جائز ہے۔بعینہٖ جو معنی اس آیت میں ہے: [وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا "اس نے تمہیں زمین میں بسایا"]۔ایسی اضافت کو تشریف یا اختصاص کی اضافت کہیں گے۔قرآن سے اس کی مثالیں: جیسے رُوحُ الله، بَيتُ الله، نَاقَةُ الله وغیرہ۔ابن قیمؒ "خلیفۃاللہ" کہنے سے ممانعت پر عین ابن تیمیہؒ والا موقف رکھتے اور اس کو بیان کرتے ہوئے، ایک دوسرے معنٰی میں اسے جائز کہنے کا یہ پہلو بھی مفصل بیان کرتے ہیں۔وہ کہتے ہیں، حدیث میں یا سلف کے ہاں کہیں "اللہ کا خلیفہ" یا "اللہ

جہاں تک حدیثِ نبوی {السُّلْطَانُ ظِلُّ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ يَأْوِي إِلَيْهِ كُلُّ ضَعِيفٍ وَمَلْهُوفٍ "سلطانِ (حق) زمین کے اندر سایۂ خداوندی ہے؛ جو ہر بے کس اور پریشان کی جائے پناہ ہوتی ہے"} [65] کا تعلق ہے تو یہ صحیح ہے۔ "سایہ" اپنے نیچے پناہ لینے

کے خلفاء" کہا گیا تو وہ دراصل اس معنی میں ہوتا ہے۔ جیسے کچھ خدا رسیدہ لوگوں کی بابت حضرت علیؓ کا کہنا [أولئك خلفاء الله في أرضه "یہ ہیں اللہ کے خلفاء اس کی زمین میں"] اور حذیفہؓ کی ایک حدیث میں: [إِنْ كَانَ للَّه خَلِيفَةٌ فِي الْأَرْضِ "اگر ہو ازمین میں اللہ کا کوئی خلیفہ"]۔ وغیرہ۔ (ملخص کلام ابن قیمؒ: زاد المعاد ج 2 ص 434۔ نیز مفتاح دار السعادة ج 1 ص 151 تا ص 153۔ نیز هداية الحيارى في أجوبة اليهود والنصارى ج 2 ص 515۔ نیز مختصر الصواعق المرسلة ص 412)۔

البتہ نوٹ فرمالیجیے: "خلیفہ" کی اضافت پر آپ ہر دو رائے میں سے کوئی بھی اختیار کریں، زمین کا اختیار اور فرماں روائی اس میں بہر حال آئے گی۔ اختلاف اس امر میں ہر گز نہیں۔

[65] "السُّلْطانُ ظِلُّ اللهِ فِي الأرْضِ، مَنْ أهَانَ السُّلْطَانَ أهَانَهُ اللهُ" کی تحقیق:

معلوم یہ ہوتا ہے، ابن تیمیہؒ اسے حدیث یا اثر کا درجہ دیتے ہیں۔ یہ حدیث بالعموم دو اجزاء پر مشتمل روایت ہوتی ہے: { السُّلْطَانُ ظِلُّ اللهِ فِي الأرْضِ "سلطنت زمین میں اللہ کا سایہ ہے"}۔ اور {مَن أهَانَ السُّلْطَانَ أهَانَهُ اللهُ "جس نے سلطنت کی بے وقعتی کی، اللہ اسے بے وقعت کرے گا"}۔ دوسرے جزء کو بطور حدیث بہت سے محدثین نے صحیح کہا ہے، جبکہ پہلے جزء کو بطور حدیث کہنے والے کم دستیاب ہوئے ہیں۔ تاہم یہ عبارت السُّلْطَانُ ظِلُّ اللهِ فِي الأرْضِ ائمہ سنت کے ہاں مستعمل ضرور رہی اور ہماری کتبِ عقیدہ تک کے اندر بعض مقامات پر درج ہوئی ہے، اس پر کوئی ایسے اعتراضات بھی ائمہ کے ہاں دیکھنے میں نہیں آئے۔ لہٰذا بطور حدیث نہ سہی بطور ایک اثر (متقدمین کے ہاں متداول کلمات) یہ عبارت بولنا/ چلانا ان شاء اللہ باعثِ حرج نہیں۔ واقعتاً ہمارے

ہاں سلطانِ اسلام (معاشرے پر اسلام کے غلبہ اور رِٹ) کی یہی حیثیت ہے۔ اور یہی اللہ کے دشمنوں کے لیے سب سے تکلیف دہ۔

کتاب کے محقق حماد سلامۃ حدیث [السُّلْطَانُ ظِلُّ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ] کے متعلق لکھتے ہیں:

اسے ابن النجار نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا۔ دیکھیے کنزالعمال ج 6 ص 4، 5۔ اس کی عبارت میں تھوڑا فرق ہے۔ تھوڑے فرق کے ساتھ بزار نے یہ کتاب الامارۃ باب "الامام ظل اللہ فی الأرض" میں روایت کی ہے۔ دیکھیے کشف الاستار عن زوائد البزار ج 2 ص 233۔ ہیثمی نے اسے مجمع الزوائد میں درج کرنے کے بعد کہا: "اس میں سعید بن سنان ابو مہدی ہیں جو کہ متروک ہیں"۔ دیکھیے مجمع الزوائد ج 5 ص 196۔ (حماد سلامہ کی عبارت ختم ہوئی)۔

کنزالعمال سے حدیث [السُّلْطَانُ ظِلُّ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ] کی روایات کا ویب لنک: https://al-maktaba.org/book/2677/3863

حدیث کے دوسرے جزو کو لفظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ البانی نے سلسلہ صحیحہ میں درج کیا ہے، رقم 2297۔

ایک بڑی غلط فہمی یا ایک غیر معمولی "حساسیت" السُّلْطَانُ ظِلُّ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ کے حوالہ سے متاخرہ ادوار میں لفظِ سلطان کے "محلِ اطلاق" کے باعث پیدا ہو گئی ہوئی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے اس کا کچھ ازالہ کر دیا جائے:

حکمران کو "سلطان" کہہ کر بلانا دورِ نبوت اور قرنِ اول کا استعمال نہیں (جب اول اول حدیث یا اثر کی صورت یہ لفظ بولا گیا)۔ سلطان کا مطلب لغت میں: اتھارٹی، زور آوری۔ خواہ وہ اصولی معنٰی کی اتھارٹی ہو یا مادی معنٰی کی۔ اول الذکر: جیسے مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ اور إِنْ عِندَكُم مِّن سُلْطَٰنٍ بِهَٰذَآ۔ ثانی الذکر: جیسے لَا تَنفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ اور هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطَانِيَه۔ چنانچہ سورۃ الاسراء آیت 80 میں (مکہ سے نکل کر کہیں تمکین پانے کے حوالہ سے) نبی ﷺ کو ہدایت ہوئی کہ اپنی دعاء میں اب

والے کو چاہتا اور اس کا رفیق بنتا ہے۔ اور ایک نوع کی اس سے مطابقت رکھتا ہے۔ پناہ لینے والے کو سائے کا سہارا جبکہ سائے کو "سائے والے" کا سہارا؛ اور یہ اس کے ساتھ ساتھ۔

آپ اللہ سے "سُلْطَانًا نَّصِيرًا" مانگا کریں۔ قرآنِ مجید کے اردو مترجموں نے اس مقام پر "سلطانِ نصیر" کا ترجمہ عموماً ان الفاظ سے کیا: ایک مدد گار اقتدار۔ ایک مدد گار غلبہ۔ زور و قوت جو مدد گار ہو۔ زوردار سلطنت جس سے دشمن ہار جائیں۔ وغیرہ۔ پس سلطان کا مطلب: اقتدار، غلبہ، زور و قوت، سلطنت۔

چنانچہ احادیث یا آثار میں وارد "سلطان" کا مطلب ہوتا ہے: دولتِ اسلام۔ اسلام کی فرماں روائی۔ زمین میں اسلام کو حاصل تمکین۔ مسلم راعی کی شخصیت پر یہ لفظ دورِ اول میں کبھی بولا بھی گیا تو اس میں "ذو" محذوف (understood) رہتا تھا ("ذو" کا مطلب: والا) یعنی "ذوالسلطان" (سلطنت والا)۔ اور بہت جگہوں پر تو احادیث میں یہ لفظ "ذو" یا "ذی" کے ساتھ ہی بولا گیا۔ (مضاف کو محذوف لینا عربی میں ویسے کثرت سے مستعمل ہے)۔ بعد ازاں البتہ ایک خاص رُتبے کا حکمران ہونے پر آدمی کو یہ لقب دیا جانے لگا، جیسے سلطان ایوبی، سلطان ٹیپو، سلطان عبدالحمید وغیرہ۔ مگر یہ صدیوں بعد کا استعمال ہے۔ چنانچہ دورِ آخر میں مستعمل "سلطان" کے لفظ سے ایک عام آدمی کے ذہن میں اسلام کا غلبہ واقتدار شاید آتا ہی نہیں بلکہ کرسی پر بیٹھا (یا کرسی سے چمٹا!) کوئی معیّن شخص ہی اس لفظ سے اس کے ذہن میں آتا ہے۔ کچھ اس وجہ سے شاید السُّلْطَانُ ظِلُّ اللهِ فِي الأَرْضِ ایسی عبارت ذہنوں میں ایک خلجان پیدا کرنے لگی ہے۔ معنٰی کی تصحیح ہو جانے سے یہ اشکال باقی نہیں رہتا۔

فصل کے شروع میں مجموع الفتاوی میں دی گئی سرخی بھی یہاں قابل توجہ ہے: لفظ "سلطان" کو لفظ "خلیفہ" پر نہیں بلکہ "خلافت" پر معطوف کیا جانا۔

آج کل کی زبان استعمال کی جائے، تو دونوں میں کسی قدر وہی فرق جو ایک "شخص" اور "ادارہ" کے مابین ہوتا ہے۔

پس "سلطان" خدا کی بندگی کرنے والی مخلوق ہے۔ ہر دم اس کا ضرور تمند، کسی ایک لمحے خدا کے سہارے سے مستغنی نہیں۔ البتہ "سلطان" میں قدرت، اختیار، حفاظت، نصرت وغیرہ ایسے سیادت اور بندہ پروری کے جو معانی پائے جاتے ہیں، اور جن کے دم سے مخلوق کی کاٹھی قائم رہتی ہے، ان معانی کے باعث سلطان (مسلم اتھارٹی) کو اس بات سے ایک مناسبت ہوئی کہ وہ "زمین میں سایۂ خداوندی" کہلائے۔ یہ سلطان (مسلم اقتدار) خدا کے پیدا کردہ ان اسباب میں سے قوی ترین سبب ہے جس کے ذریعے خدا اپنی مخلوق اور اپنے عباد کے معاملات کو صلاح و خوبی پر قائم رکھتا ہے۔ پس (ذوالسلطان) صاحبِ اقتدار جس وقت سنورتا ہے اس وقت لوگوں کے امور سنور جاتے ہیں۔ اور جس وقت بگڑتا ہے تو اس کے بگاڑ کے بقدر لوگوں کے امور بگڑ جاتے ہیں؛ ہر ہر پہلو سے نہیں بگڑتے؛ کیونکہ نیکی اور صلاح کے پہلو ختم ہونے میں نہیں آتے۔ چنانچہ وہ "ظل اللہ" ہے۔ یعنی سایۂ خداوندی۔ لیکن "سایہ" کسی وقت پورا ہوتا ہے اور تکلیف و پریشانی سے مکمل تحفظ دیتا ہے۔ البتہ کسی وقت پورا نہیں ہوتا اور صرف جزوی تحفظ دیتا ہے۔ ہاں جس وقت سایہ ختم ہی ہو جائے اس وقت معاملہ بگڑ کر رہ جاتا ہے۔ اور اس حال سے مشابہ ہوتا ہے جب ربوبیت کا وہ سراغ ہی کھو جائے جس کے دم سے بنی نوع انسان کی بقا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

خلافت کا، مسلمانوں کے چناؤ سے ثابت ہونا

فَصْل: فی ثبوت الخلافة بالاختیار، ووجوب الطاعة

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ہمارے اصحاب مانند قاضی ابو یعلیٰ وغیرہ نے امام احمد بن حنبلؒ کے حوالہ سے مسئلہ بیان کیا ہے: خلافتِ ابو بکرؓ آیا مسلمانوں کے اپنے چناؤ سے ثابت ہوئی تھی؟ یا نبی ﷺ سے اِس پر کوئی نصِ خفی تھی جس سے یہ (چناؤ کے بغیر ہی) ثابت ٹھہر گئی تھی، یا کسی نصِ جلی سے ثابت ہوتی تھی؟ اس پر (علمائے سنت) کے کئی قول ہیں:

1. ایک قول یہ ہے کہ خلافتِ ابو بکرؓ مسلمانوں کے چناؤ سے ثابت ہوئی تھی۔ یہ جمہور علماء، فقہاء، اہل الحدیث، اور متکلمین معتزلہ واشاعرہ وغیرہ کا قول ہے۔
2. دوسرا قول یہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی نصِ خفی سے ثابت ہو گئی تھی۔ اہل الحدیث اور متکلمین کے بعض طوائف کا یہ بھی قول ہے۔
3. حسن بصری اور چند دیگر اصحابِ علم کے بقول یہ نصِ جلی سے ثابت ہوئی تھی۔

اس موضوع پر بعض فرقوں کی رائے کا فساد

جہاں تک "امامیہ" کا قول ہے کہ خلافت نصِ جلی کے ذریعے علیؓ بن ابی طالبؓ کے حق میں ثابت تھی، یا "زیدیہ جارودیہ" کا قول کہ خلافت علیؓ کے حق میں نصِ خفی کے ذریعے ثابت ہوئی تھی، یا "راوندیہ" کا یہ قول کہ یہ نص کے ذریعے عباسؓ کے حق میں ثابت تھی... تو اِن اقوال کا فاسد ہونا اہل علم ودین کے ہاں ایک معلوم حقیقت ہے۔ ایسے اعتقادات رکھنے والا یا تو جاہل ہے، یا ظالم۔ جبکہ ایسے اعتقادات رکھنے والی ایک بڑی تعداد ویسے ہی زندیق ہے۔

خلافتِ ابوبکرؓ کی بابت قولِ تحقیق: ایک نہایت اہم تاصیل

"خلافتِ ابو بکرؓ" کے موضوع پر قولِ تحقیق یہ ہے، اور اسی پر امام احمدؒ کا اپنا کلام دلالت

کرتا ہے، کہ: خلافتِ ابو بکرؓ کا انعقاد صحابہؓ کے ان کو چننے اور ان کی بیعت کرنے سے ہوا تھا۔ اور یہ کہ نبی ﷺ کا اس کے وقوع پزیر ہونے کی خبر دینا (صرف) اس کو سراہنے اور پسندیدہ ٹھہرانے کے طور پر ہوا تھا۔ اور یہ کہ نبی ﷺ نے یہ حکم دیا ضرور کہ لوگ ابو بکرؓ کی بات پر چلیں اور معاملہ ابو بکرؓ کو سونپیں، اور یہ کہ نبی ﷺ نے ابو بکرؓ کی بیعت کی طرف امت کو راہنمائی بھی کی ضرور۔ یوں رسول اللہ ﷺ سے اس بابت تین باتیں ملیں، ایک خبر، ایک امر، اور ایک راہنمائی۔

جہاں تک نبی ﷺ کا اس کے وقوع پزیر ہونے کی "خبر" دینا ہے تو وہ یہ حدیث کہ: [رَأَيْت كَأَنِّي عَلَى قَلِيبٍ أَنْزِعُ مِنْهَا فَأَتَى ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ فَنَزَعَ. ذَنُوبًا أَوْ ذنوبين "میں نے خواب دیکھا، گویا میں ایک کنویں پر کھڑا پانی نکال رہا ہوں کہ ابن ابی قحافہ (ابو بکر) آ گیا، اور ایک دو ڈول پانی نکالنے لگا"]۔ نیز یہ حدیث: [كَأَنَّ مِيزَانًا دُلِّيَ مِنْ السَّمَاءِ إلَى الْأَرْضِ. فَوُزِنْت بِالْأُمَّةِ فَرَجَحْت ثُمَّ وُزِنَ عُمَرُ "گویا کوئی ترازو آسمان سے زمین پر لٹکایا گیا، نبی ﷺ اور امت کا وزن کیا گیا، آپ ﷺ اس میں بھاری ہوئے، پھر ابو بکرؓ عمرؓ کے مقابلے پر بھاری ہوئے"]۔ اسی طرح حدیث: [اُدْعِي لِي أَبَاك وَأَخَاك حَتَّى أَكْتُبَ لِأَبِي بَكْرٍ كِتَابًا لَا يَخْتَلِفُ عَلَيْهِ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي ثُمَّ قَالَ: يَأْبَى اللَّهُ وَالْمُؤْمِنُونَ إلَّا أَبَا بَكْرٍ "(اے عائشہؓ) اپنے باپ اور اپنے بھائی کو بلاؤ تاکہ میں ابو بکرؓ کے لیے تحریر لکھ دوں جس پر لوگ میرے بعد اختلاف نہ کریں" پھر فرمایا "اللہ کو اور مومنوں کو ناقبول ہے مگر ابو بکرؓ ہی"]۔ چنانچہ یہ ہوئی نبی ﷺ کی خبر کہ: اللہ اور اہل ایمان ابو بکرؓ کے علاوہ کسی کی خلافت منعقد نہ ہونے دیں گے، جن کی خلافت کو نص ٹھہرا دینے کے لیے آپ ؐ کا اپنا ارادہ ہوتا رہا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کا یہ فرمان: [أُرِيَ اللَّيْلَةَ

رَجُلٌ صَالِحٌ كَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ نِيطَ بِرَسُولِ اللَّهِ "آج رات کسی صالح آدمی کو خواب میں دکھایا گیا کہ ابو بکرؓ کو رسول اللہ ﷺ کے پیچھے جوڑا گیا"]، اسی طرح آپ ﷺ کا یہ فرمان: [خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ تَصِيرُ مُلْكًا "خلافتِ نبوت تیس سال تک ہے، پھر وہ بادشاہت ہو جائے گی"]۔

جہاں تک "امر" کا تعلق ہے تو بطورِ مثال رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان: [اقْتَدُوا بالذين مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ "میرے بعد والے اِن دو کی اقتداء کرنا: ابو بکر اور عمر"]۔ اسی طرح آپؐ کا یہ فرمان: [عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي "لازم پکڑو سنت میری اور میرے بعد سنت خلفائے راشدین مہدیین کی"]۔ نیز اس عورت کو جس نے آپ ﷺ سے کہا: [إِنْ لَمْ أَجِدْكَ؟ "اگر میں آپ کو نہ پاؤں"] آپؐ کا یہ جواب کہ: [فَأْتِي أَبَا بَكْرٍ "تو پھر ابو بکر کے پاس آنا"]۔ اسی طرح آپؐ کا زکاۃ کے تحصیل داروں کو یہ فرمانا کہ اگر آپ ﷺ ان کو نہ ملیں تو وہ ابو بکرؓ کے پاس جمع کروادیں۔ وغیرہ

جہاں تک ابو بکرؓ کی طرف امت کی "راہنمائی" کرنے کا تعلق ہے تو وہ ہے نماز میں ابو بکرؓ کو آگے کرنا۔ نیز آپ ﷺ کا یہ فرمانا: کہ مسجد کی جانب کھلنے والے ہر کواڑ میں چنائی کر دو، سوائے ابو بکرؓ کے کواڑ کے۔ نیز ابو بکر کے دیگر خاص مناقب۔

یہ ہوئے تین پہلو سنت سے۔ جبکہ قرآن سے ان تین پہلوؤں کی دلالت یوں ہے:

خبر کے معاملہ میں:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ (النور:55)

اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور نیک عمل

کرتے رہے، کہ وہ لازماً زمین میں ان کو خلافت عطا فرمائے گا۔

فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (المائدۃ:45)

تو عنقریب اللہ ایسے لوگوں کو لائے گا جن سے اللہ محبت کرتا ہوگا اور وہ بھی اللہ سے بڑی محبت کرتے ہوں گے۔

وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ (آل عمران:144)

اور عنقریب اللہ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دینے والا ہے۔

امر کے معاملہ میں:

سَتُدْعَوْنَ إِلَى قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ (الفتح:16)

عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے کہ تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔

راہنمائی کے معاملہ میں:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى (اللیل:17)

اس (دوزخ) سے وہ شخص بچا لیا جائے گا جو تقویٰ میں دوسروں سے زیادہ ہے

النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ (النساء:69)

ساتھ نبیوں اور صدیقوں کے

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ (التوبۃ:100)

اور سابقون اولون مہاجرین سے اور انصار سے

چنانچہ ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کا صحیح ہونا اور ان کی اطاعت کا واجب ہونا تو ثابت ہے کتاب، سنت اور اجماع ہر تین مصدر سے۔ البتہ ان کی خلافت کا انعقاد ہوا (مسلمانوں کے) ان پر اکٹھا ہونے اور ان کو چننے سے ہی۔[66] اس مسئلہ کو یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی شخص

---

[66] نوٹ فرما لیجیے: ترجمہ میں "چننے" یا "چناؤ" کا لفظ ہم نے استعمال ضرور کیا ہے، لیکن ابن تیمیہؒ کے

کو کوئی عہدہ دینے یا بیاہنے یا اسی طرح کا کوئی معاملہ کرنے کی ہدایت فرمادے، تو یہ کام ہو گا جب (انسان) بالفعل اس کا تقرر کر دیں یا اس کا نکاح کر دیں؛ نصوص کی دلالت یہاں صرف اتنی ہوئی کہ اللہ کو اس کا تقرر یا اس کا نکاح ہونا پسند ہے۔ پس نصوص کی دلالت یہ ہے ضرور کہ مسلمانوں کو ابو بکرؓ کو چننے اور آپؓ کا تقرر کرنے کی ہدایت ہوئی تھی، اور یہ کہ اللہ کی رضا اور پسند اسی میں تھی، تاہم اس ہدایت اور پسند کا روبہ عمل آنا ہوتا تبھی جب اس پر عملدرآمد ہو۔ چنانچہ اس (خدائی، نبوی) ہدایت پر عملدرآمد کرتے ہوئے صحابہؓ نے اپنے چناؤ سے ابو بکرؓ کا تقرر کر لیا؛ اور یہ بات ان کے حق میں کہیں بہتر ہوئی اور ان کے درجات کو بڑھانے میں کہیں بڑھ کر۔[67]

عربی متن میں اس کے لیے لفظ "انتخاب" نہیں آیا بلکہ "اختیار" آیا ہے۔ مسلمانوں کا کسی کو خلافت کے لیے "اختیار" کرنا اپنا ایک معنیٰ اور طریقہ رکھتا ہے۔ جس کی صورت ان کے علمی ذخیروں میں یہ بتائی جاتی ہے کہ پہلے مسلمانوں کے اہل حل وعقد اپنے صلاح مشورے سے اس کی خلافت کا "انعقاد" کریں گے، اسی کو "بیعتِ خواص" یا "بیعتِ انعقاد" کہا جاتا ہے۔ پھر یہ ہو جانے کے بعد، عامۃ المسلمین اس کی "بیعتِ عام" کریں گے؛ اور اسی کو "بیعتِ اطاعت" بھی کہا جاتا ہے۔ جبکہ وہ چیز جو دورِ حاضر میں "انتخاب" کے نام سے جانی جاتی ہے، اس کی ترتیب اس سے یکسر الٹ ہے۔ "تعلیقات" میں ایک پوری فصل ہم نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالنے کے لیے دی ہے بعنوان ['ووٹ' اور "بیعت" ایک ہی چیز؟]۔

[67] یہ مبحث قدرے تفصیل سے ابن تیمیہ کی "منهاج السنة" میں بیان ہوا، ملاحظہ ہو:

رافضی کا یہ کہنا کہ: اہل سنت کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے بعد ابو بکرؓ امام بن بیٹھے محض عمرؓ کے بیعت کر لینے اور کوئی چار اشخاص کے رضامندی دے ڈالنے کے بل پر... تو اسے جواب دیا

جائے گا کہ :

یہ جو تم نے کہا، یہ ائمہ اہل سنت کا قول ہی نہیں ہے اگرچہ بعض اہل کلام نے یہ کہہ دیا ہو کہ امامت چار اشخاص کے بیعت کر لینے سے منعقد ہو جاتی ہے یا ان میں سے بعض نے کہا کہ ان (اہل عقد) میں سے ایک ہی شخص کی بیعت سے منعقد ہو جاتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ اہلِ قدرت اگر اُس کو امیر بنائیں تو وہ امیر بنے گا۔ چنانچہ آدمی کے امیر یا قاضی یا والی وغیرہ ہونے کی بنیاد قدرت اور سلطان کا حاصل ہونا ہے۔ جب وہ اسباب میسر ہوں جن سے قدرت اور سلطان حاصل ہوتی ہو تو اس کا وہ عہدہ ہے ورنہ نہیں۔ کیونکہ اِس چیز سے مقصود ہی وہ اعمال انجام دینا ہے جو قدرت اور اختیار کے بغیر انجام دیے نہیں جا سکتے۔ پس جب وہ قدرت ہو جس کی موجودگی میں اعمالِ امامت کی انجام دہی ممکن ہوتی ہے تب وہ عہدہ ہو گا ورنہ نہیں.....

یہاں گفتگو کے محور دو ہیں:

پہلا محور: اس چیز سے متعلق ہے کہ ابو بکرؓ ہی امامت کے حقدار تھے اور یہ کہ صحابہؓ کا آپؓ کی بیعت کرنا اللہ اور اُس کے رسولؐ کو پسند تھا؛ تو یہ بات نصوص اور اجماع سے ثابت ہے۔

دوسرا محور: یہ ہے کہ ابو بکرؓ امام ہوئے کب؟ تو یہ ہوئے اہل قدرت کے آپؓ کو بیعت دے دینے سے۔ اسی طرح جب عمرؓ کو ابو بکر نے ولیِ عہد بنایا تو عمرؓ امام تب بنے جب ان کو بیعت اور اطاعت دی گئی۔ چنانچہ... بفرضِ محال اگر صحابہؓ (عمرؓ کے حق میں) ابو بکرؓ کے پروانۂ ولی عہدی کو نافذ نہ ٹھہراتے اور عمرؓ کی بیعت نہ کرتے تو عمرؓ امام نہ ہوتے قطع نظر اس سے کہ ان کا ایسا کرنا جائز ہوتا یا نہ۔

چنانچہ جائز و ناجائز کا تعلق تو ہے ان کے کسی فعل کو کرنے یا نہ کرنے سے۔ البتہ جہاں تک بجائے خود ولایت اور سلطان کا معاملہ ہے تو اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ آیا قدرت حاصل ہے یا نہیں۔ ہاں یہ قدرت جائز طریقے سے بھی حاصل ہو سکتی ہے جیسے خلفائے راشدین کو ملنے والی قوت و اقتدار، اور ناجائز طریقے سے بھی جیسے ظالموں کو حاصل قوت و اقتدار۔

ذرا دیر کے لیے اگر فرض کر لیا جائے کہ عمرؓ اور ان کے ساتھ کچھ تعداد نے ہی ابو بکرؓ کی بیعت کی ہوتی اور باقی تمام صحابہؓ بیعت پر آمادہ نہ ہوتے... تو ابو بکرؓ امام نہ ہوتے۔ ابو بکرؓ امام ہوئے اُن جمہور صحابہؓ کے بیعت کرنے سے جو اہلِ قدرت وشوکت تھے۔ چنانچہ یہ وجہ ہے کہ سعد بن عبادہؓ کا بیعت سے گریز کرنا نقصان دہ نہ ہوا؛ کیونکہ ولایت (عہدہ) سے جو مقصود ہے اس کے لیے یہ (ایک آدھ شخص کا بیعت نہ کرنا) باعثِ قدح نہیں۔ کیونکہ (ولایت سے) اصل مقصود ہے قدرت اور سلطان جس کی بدولت امامت کے مصالح انجام پاسکیں جبکہ یہ مقصد جمہور کے موافقت اختیار کر لینے سے حاصل ہو گیا تھا۔ چنانچہ جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ امام کسی ایک یا دو یا چار اشخاص کے بیعت کر لینے سے مقرر ہو جاتا ہے اگرچہ وہ (ایک یا دو یا چار اشخاص) اصحابِ قدرت وشوکت نہ بھی ہوں تو وہ بالکل غلط ہے۔ عین جس طرح وہ شخص غلط ہے جو کہے کہ کسی ایک یا دو یا دس آدمیوں کے بیعت نہ کرنے سے اس کی امامت کو کوئی فرق آجاتا ہے!

ابو بکرؓ کو بیعت دینے والے وہی مہاجرین وانصار ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ہمراز رہے اور جن کے دم سے اسلام کو قوت اور تمکنت ملی رہی اور جن کے وجود سے مشرکین مقہور اور جن کے ہاتھوں پورا جزیرۂ عرب مفتوح ہوا۔ چنانچہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی بیعت تھے انہی کے جمہور ابو بکرؓ کی بیعت ہوئے۔ رہی یہ بات کہ عمرؓ یا کسی اور نے ابو بکرؓ کی بیعت کے لیے پہل کی تو ہر بیعت میں کسی نہ کسی کو پہل کرنا ہی ہو گی۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ بعض لوگ اس بیعت پر رضامند نہیں تھے تو بھی یہ بات اس (ولایت) کے مقصود کے حق میں ضرر رساں نہیں۔ کیونکہ جہاں تک خلافت کا حقدار ہونے کی بات ہے تو وہ اپنی جگہ دلائلِ شرعیہ سے ثابت ہے کہ ابو بکرؓ ان میں سب سے حقدار تھے۔ ان دلائلِ شرعیہ کے ہوتے ہوئے کسی کے مخالف ہونے سے اس کو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ جہاں تک بجائے خود اس کے حاصل ہونے کا سوال ہے تو وہ قدرت اور سلطان کے حاصل ہونے سے حاصل ہوئی؛ جب اصحابِ شوکت نے اس کی

متابعت اختیار کر لی.....

چنانچہ اگر حقدار ہونے کی بات ہے تو کتاب اور سنت سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابو بکرؓ کی بیعت کی ہدایت تھی۔ اگر سلطان اور اقتدار کی بات ہے تو ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے اہل شمشیر تھے جو اپنے اِس عمل سے اللہ کی فرمانبرداری کر رہے تھے۔ چنانچہ ابو بکرؓ کے حق میں خلافت کا انعقاد کتاب کی دلیل سے بھی ہے اور قوت کی دلیل سے بھی۔

اور جہاں تک خلافتِ عمرؓ کا تعلق ہے تو آپؓ کو ابو بکرؓ نے ولی عہد بنایا اور ابو بکرؓ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ چنانچہ عمرؓ امام ہوئے جب ان کو قدرت اور سلطان حاصل ہوئی، صحابہؓ کی بیعت سے۔

رافضی کا یہ کہنا کہ عثمانؓ کی خلافت چھ آدمیوں کے حق میں عمرؓ کے بول دینے سے قائم ہو گئی جن میں سے ایک عثمانؓ خود تھے اور انہی میں سے کچھ کے اختیار کر لینے سے وہ خلیفہ ہوئے...

تو اسے بھی یہی جواب دیا جائے گا: عثمانؓ اُن چھ میں سے چند کے اختیار کر لینے سے امام نہیں ہوئے بلکہ لوگوں کی بیعت سے ہوئے۔ سب لوگوں نے ہی عثمان بن عفانؓ کی بیعت کی اور کوئی ایک بھی اس بیعت سے پیچھے نہ رہا تھا۔

امام احمدؒ، بروایت حمدان بن علی، فرماتے ہیں: خلفاء میں کوئی ایسا نہیں جس کی بیعت عثمانؓ سے زیادہ پختہ ہو؛ کیونکہ یہ سب کے ہی اتفاق سے ہوئی تھی۔ چنانچہ جب اصحابِ شوکت و قدرت نے عثمانؓ کی بیعت کی تو آپؓ امام ہوئے۔ ورنہ اگر یہ فرض کر لیں کہ عبدالرحمن بن عوفؓ نے تو ان کی بیعت کر لی ہوتی مگر علیؓ اور دیگر اہل شوکت شمار ہونے والے صحابہؓ آمادۂ بیعت نہ ہوئے ہوتے تو وہ امام نہ ہوتے۔

تاہم عمرؓ نے جب اس معاملے کو چھ بزرگوں عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد اور عبدالرحمن بن عوف کے مابین شوریٰ ٹھہرا دیا تو طلحہؓ، زبیرؓ اور سعدؓ اپنی مرضی سے دستبردار ہو گئے اور پیچھے عثمانؓ، علیؓ اور عبدالرحمنؓ رہ گئے۔ ان تینوں کے مابین اتفاق ہوا کہ عبدالرحمنؓ خود نہ بنیں بلکہ

ان دونوں میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنانے کا اختیار لے لیں۔ عبدالرحمنؓ قسماً کہتے ہیں کہ انہوں نے تین راتیں آنکھ بھر کر نیند نہیں کی؛ وہ اس سارا عرصہ مشاورت کرتے رہے سابقین اولین اور ان کے تابعین باحسان کے ساتھ۔ نیز مشاورت کرتے رہے امرائے انصار کے ساتھ۔ یہ لوگ اس آخری سال حج میں عمرؓ کے ہمرکاب رہے تھے۔ ان سب مسلمانوں نے عبدالرحمنؓ کو مشورہ دیا کہ عثمانؓ کو ولایت دیں۔ عبدالرحمنؓ نے باقاعدہ ذکر فرمایا کہ وہ سب لوگ عثمانؓ کو مقدم کر رہے ہیں؛ تب انہوں نے عثمانؓ کی بیعت کی، نہ عثمانؓ نے ان کو کوئی لالچ دے رکھا تھا اور نہ کوئی ڈراوا۔

یہ وجہ ہے کہ سلف اور ائمہ میں سے متعدد لوگوں مانند ایوب سختیانیؒ، احمد بن حنبلؒ اور دار قطنیؒ و دیگر نے فرمایا کہ: جو شخص عثمانؓ کو علیؓ پر مقدم نہیں ٹھہراتا وہ مہاجرین اور انصار کو کم عقل جانتا ہے۔ یہ عثمانؓ کی افضیلت کے دلائل میں سے ایک ہے؛ کیونکہ ان سب نے اپنی مرضی اور باہمی صلاح مشورے سے آپؓ کو مقدم کیا تھا۔

منہاج السنة ج 1 ص 226تا235 فَصْلٌ: وَأَمَّا قَوْلُ الرَّافِضِيِّ: إنَّهُمْ يَقُولُونَ :إنَّ الْإِمَامَ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَبُو بَكْرٍ ، بِمُبَايَعَةِ عُمَرَ ، بِرِضَا أَرْبَعَةٍ ..

حصۂ سوم

تاریخ

[اسلام کی دو ترجیحات شاید ایک 'آئیڈیلسٹ' کی سمجھ سے بالاتر رہیں: ایک، نبی ﷺ کے جیتے جی سلطانِ اسلام کو لازماً پورے جزیرہ پر حاوی کروانا؛ یہ دیکھتے ہوئے کہ آپ ﷺ کے آنکھ بند فرماتے ہی پورا عرب مرتد ہو جاتا ہے (صرف تین مسجدوں میں جمعہ باقی رہ جانا)۔ {'فرد' سے توجہ نہ ہٹنے کا وہ ایک نام نہاد فلسفہ اس 'تیز رفتاری' کو تھوڑا روک رکھتا، تو بھلا اس کی نوبت آتی!!} ۔ دوسرا، صحابہؓ کے جیتے جی سلطانِ اسلام کو لازماً نصف معمورۂ ارض پر حاوی کروانا؛ ادیان کی تاریخ میں ایسی کامیاب اور برق رفتار توسیع، جس کی کوئی مثال ہی نہیں، اور جس کے نتیجے میں کچھ بڑے بڑے معاملات قابو سے باہر ہونا ایسا حیران کن بھی نہیں۔ انہی انعکاسات repercussions میں کچھ سنگین داخلی بحرانات، کچھ قبائلی حقیقتوں کا زور آور ہو جانا، اور تیس سال بعد اس سلطان میں "ملوک" کا کچھ رنگ آنے لگنا، اُس شے ء کی بہت معمولی قیمت ہے جو اسلام کو تاقیامت حاصل ہوئی۔ "ملتوں" کی ترجیحات بسا اوقات "نظاموں" کی ترجیحات سے مختلف ہوتی ہیں۔ یہ بنیادی طور پر دو الگ الگ مدرسے ہیں؛ جبکہ ابن تیمیہؒ، بلکہ سبھی ائمہ سُنت، کا تعلق اول الذکر مدرسہ سے۔]

مترجم

علیؓ اوران سے لڑنے والوں سے متعلق اہلِ اھواء کے مذاہب

فَصْلٌ: أَهْلُ الْأَهْوَاءِ فِي "قِتَالِ عَلِيٍّ وَمَنْ حَارَبَهُ" عَلَى أَقْوَالٍ:

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں:

حضرت علی کی لڑائی، اور لڑائی میں آپؓ کے مد مقابل آنے والوں کے متعلق، اہلِ اھواء متعدد مذاہب ہوئے ہیں:

"خوارج" ہر دو جماعت کو، جن کے مابین لڑائی ہوئی، کافر کہتے ہیں۔

"رافضہ" علیؓ سے لڑنے والوں کو کافر کہتے ہیں، حالانکہ خود علیؓ سے جو بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے وہ یہ کہ آپؓ نے ان کے مسلمانوں والے ہی احکام رکھے؛ اور ان کی تکفیر سے منع فرمایا تھا۔

طلحہ، زبیر اور عائشہ والی جنگ سے متعلق (معتزلہ) کے تین مذہب ہوئے: ایک یہ کہ فریقین میں سے غیر معین طور پر کوئی ایک فاسق ہے۔ یہ عمرو بن عبید اور اس کے اصحاب کا قول ہے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ علیؓ سے لڑنے والے فاسق تو ہیں، تاہم جس جس نے توبہ کرلی وہ فاسق نہ رہا۔ ان کا کہنا ہے، طلحہؓ، زبیرؓ اور عائشہؓ نے توبہ کرلی تھی۔ معتزلہ کی اکثریت سے جو بات منقول ہے مانند ابوالہذیل اور اس کے اصحاب، ابوالحسین وغیرہ، اس کی رو سے یہی قول بنتا ہے۔ تیسرا ایک مذہب یہ کہ طلحہؓ اور زبیرؓ سے لڑنے میں علیؓ غلط تھے، اہل شام سے لڑنے میں نہیں۔

فی الجملہ؛ اہل بدعت — خوارج، روافض، معتزلہ، وغیرہ — اس لڑائی کو کفر یا فسق کا موجب مانتے ہیں۔

اس موضوع پر اہل سنت کا مذہب

جبکہ اہل سنت ان تمام بزرگوں کی عدالت (دینداری) پر متفق ہیں۔ ہاں اس کے بعد کسی کو صحیح یا غلط ٹھہرانے کے معاملہ میں یہ کئی مذاہب ہوئے، خواہ وہ ہمارے اصحاب ہوں یا دیگر۔

ایک قول یہ کہ حق پر صرف علیؓ ہیں۔ دوسرا قول یہ کہ سبھی حق پر ہیں۔ تیسرا قول یہ کہ دونوں میں سے ایک حق پر ہے مگر اس کی تعیین نہ کی جائے گی۔ چوتھا قول یہ کہ صحابہؓ میں جو تنازعات ہوئے ان کے معاملہ میں زبان ہی سرے سے بند رکھی جائے؛ اس اعتقاد کے ساتھ کہ علیؓ اور آپؓ کے اصحاب ہی دو جماعتوں میں سے "اقرب الی الحق" تھے، جیسا کہ حدیث میں ہے، بروایت ابو سعیدؓ: [تَمْرُقُ مَارِقَةٌ عَلَى حِينِ فُرْقَةٍ مِنْ الْمُسْلِمِينَ فَيَقْتُلُهُمْ أَوْلَى الطَّائِفَتَيْنِ بِالْحَقِّ "ایک بدکار خارجی ٹولہ بدکار خروج کرے گا اُس وقت جب مسلمانوں کے آپس میں پھوٹ پڑی ہو گی، تب دونوں میں سے اقرب الی الحق جماعت اس ٹولے کو مارے گی"]۔ یہ ہوا اہل شام کی جنگ متعلق۔ احادیث کی دلالت اس بات پر ہے کہ جنگِ جمل بس ایک فتنہ تھی اور یہ کہ اس میں لڑائی نہ کرنا ہی اولیٰ تھا۔ احمدؒ اور اکثر اہل سنت کی نصوص اِسی پر ہیں۔ وہ ایک تنازعہ ہی جو زبانوں اور ہاتھوں سے ہوا، بعد کے اس تمام سلسلے کی بنیاد بنا جو امت کے دین و دنیا میں چلا۔ پس ایک عقلمند کو اس سے سبق لینا چاہئے۔ یہ ہے اہل سنت والجماعت کا مذہب۔

نری عداوت پر مبنی خونریزی ایک اور چیز ہے

شیخ الاسلام سے دریافت کیا گیا:

زمینداروں کے دو فریقوں کے مابین خونریزی ہوئی۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کو توڑ کر رکھ دیا۔ مار کھانے والا فریق ہار مان گیا، مگر اس کے بعد بھی ان کی ایک تعداد قتل کر ڈالی گئی۔ تو کیا ہار مان چکے مقتولین کا بھی دوزخی والا حکم ہوا، اور وہ نبی ﷺ کے اس فرمان کا مصداق ہوئے [القاتلُ والمقتولُ فی النار "قاتل اور مقتول دونوں دوزخی"]؟ یا نہیں؟ اور کیا ہار مان لینے والوں کا بھی وہی حکم ہوگا جو دورانِ لڑائی مارے جانے والوں کا؟

جواب میں فرمایا:

ہار ماننے والے نے اگر اس نیت سے ہار مانی کہ وہ خدا کی حرام کردہ لڑائی سے تائب ہوتا ہے تو اس کا دوزخی والا حکم نہ ہوگا؛ کیونکہ اللہ اپنے بندوں سے توبہ قبول فرمانے والا اور گناہ بخشنے والا ہے۔ البتہ اگر اس کا ہار ماننا صرف بے بسی سے تھا، یوں کہ اگر حریف پر اِس کا بس چلتا تو یہ اسے مارتا، تو وہ دزخی ہوا، جیسا کہ حدیث میں ہے: [إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ قَالَ إِنَّهُ أَرَادَ قَتْلَ صَاحِبِهِ "جب دو مسلمانوں تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے سے مڈھ بھیڑ کریں، تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی۔ دریافت کیا گیا: یارسول اللہ! یہ تو ہوا قاتل۔ بھلا مقتول کیونکر؟ فرمایا: وہ اپنے بھائی کو قتل کرنے پر عازم تھا"]۔ لہٰذا اگر مقتول دوزخی ہے کیونکہ وہ اپنے بھائی کو قتل کرنے پر عازم تھا تو قاتل تو بالاولی ہوا۔ کیونکہ وہ دونوں اس عزم اور فعل میں برابر کے شریک تھے۔ البتہ مارے جانے والے کا جو نقصان ہوا وہ ہار ماننے والے کا نہیں ہوا۔ تو پھر اگر مارے جانے کی مصیبت اُس کے گناہ کا کفارہ نہ ہو سکی تو ہارنے کی مصیبت اِس

کا کفارہ نہ ہو سکے، یہ تو اولیٰ ہوا۔ بلکہ ہارنے والے کا گناہ جو بدستور لڑنے پر مصر ہو لڑائی کے دوران مارے جانے والے سے بڑا ہے اور اِس کا دوزخی ہونے کا استحقاق شدید تر۔ کیونکہ اُس کا تو برا عمل اس کی موت کے ساتھ ختم ہوا جبکہ یہ اس خبثِ عظیم پر بدستور قائم ہے۔ یہ وجہ ہے، فقہاء کے گروہ کا مسلک ہوا کہ باغیوں میں سے اگر کوئی ہار مان لے تو بھی ایسی حالت میں اس کا قتل جائز ہے جب اس کی کوئی ایسی جماعت موجود ہو جس کے ساتھ یہ جا ملنے والا ہو، اور اندیشہ ہو کہ (اس کی مدد سے) یہ پھر لوٹ آنے والا ہے۔ برخلاف اس باغی کے جو زخموں سے چور ہے، اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ کہ اِس کا شر جاتا رہا لیکن ہارنے والے کا شر نہیں رکا۔ اسی طرح مقتول کی بابت تو شاید یہ بھی کہا جا سکے کہ قتل کی مصیبت کے نتیجے میں شاید اس کا عذاب کچھ ہلکا ہو جائے، اگرچہ ہے دوزخی۔ جبکہ ہارنے کی مصیبت قتل ہونے کی مصیبت سے کم ٹھہری۔ تو معلوم ہوا، ہارنے والا اگر اپنے بھائی کی جان لینے پر مصر ہے تو (بلحاظ انجام) وہ مارے جانے والے سے بدتر ہے۔ ہاں توبہ کر لے، تو اللہ غفورٌ رحیم ہے۔

"مرتکبینِ زیادتی" (بُغَاۃ) اور "خوارج" ایک ہی چیز؟

یہاں شیخ الاسلامؒ سے سوال کیا گیا:

"مرتکبینِ زیادتی" (بُغَاۃ) اور "خوارج" کیا مترادف الفاظ ہیں اور ایک ہی معنیٰ دیتے ہیں؟ یا دونوں کے مابین کوئی فرق ہے؟ ہر دو پر جو احکام جاری ہوں گے، کیا شریعت نے ان کے مابین فرق کیا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ ائمہ علم کا اتفاق ہے کہ "باغیوں" (مرتکبینِ زیادتی) اور "خوارج" کے مابین سوائے نام کے کوئی فرق نہیں،، جبکہ کوئی دوسرا شخص اس کے مقابلے پر استدلال کرے کہ خود امیر

المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے اہل شام اور اہل نہروان کے مابین فرق کیا ہے... تو کیا ہم پہلے شخص کے موقف کو درست کہیں گے یا دوسرے شخص کے موقف کو؟

شیخ الاسلامؒ نے جواب دیا:

الحمد للہ۔ یہ ایک نرا باطل اور اندھا دھند دعویٰ ہے کہ "بغاۃ" (زیادتی کے مرتکب طبقوں) اور " خوارج" کے مابین صرف نام کا فرق ہے۔ اس فرق کی نفی میں اصحابِ ابو حنیفہؒ و شافعیؒ و احمدؒ و دیگر میں سے کچھ ایسے اہل علم کا ایک قول ہوا ضرور ہے جو "قتال أهل البغي" کے عنوان سے تالیف کرنے والے مصنفین کی طرز پر چلے۔ اور وہ یہ کہ ابو بکرؓ کے مانعینِ زکات سے قتال، اور علیؓ کے خوارج سے قتال، اور علیؓ کے اہل جمل و اہل صفین سے قتال، اور اسی طرح کے کسی قتال کو جو اسلام سے وابستہ گروہوں کے خلاف ہوا، وہ بس "قتالِ اهل البغي" کے باب میں ذکر کر جاتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ وغیرہ بزرگانِ صحابہؓ عدالت والے ہیں (یعنی ان کی دینداری پر کوئی حرف نہیں آتا)؛ نہ ان پر کفر کا حکم لگانا جائز ہے اور نہ فسق کا؛ بلکہ ان کو مجتہد کہا جائے گا، خواہ مجتہد مخطئ یا مجتہد مصیب۔ جبکہ ان کے قصور معافی پانے والے ہیں۔ یہ مطلقاً اس بات کے قائل ہیں کہ "بغاۃ" فاسق نہیں ہوتے۔

چنانچہ اگر ان کو اور اُن کو یکساں کر دیا جائے... تو لازم آیا کہ خوارج ان طبقوں کے برابر ہو جائیں جو کسی اجتہاد کی بنیاد پر قتال کر لیتے ہیں جبکہ ان کی عدالت برقرار رہتی ہے۔ چنانچہ ایک جماعت بُغاۃ (زیادتی کے مرتکب لوگوں) کے فسق کی قائل ہوئی ہے، تو بھی صحابہؓ کی عدالت پر (سب) اہل سنت متفق ہی ہیں۔

البتہ جہاں تک جمہور اہل علم کا تعلق ہے تو وہ بدکار خوارج سے اہل جمل و صفین کا اور اہل جمل و صفین کے علاوہ بھی ان سب لوگوں کا فرق کرتے ہیں جنہیں "متاوِّل بغاۃ" گنا جاتا ہو۔ صحابہؓ سے یہی معروف ہے۔ اور اِسی پر عام اہل الحدیث، فقہاء اور متکلمین۔ اور اسی پر اکثر ائمہ اور ان کے تلامذہ مانند اصحابِ مالکؒ و شافعیؒ و احمدؒ کی نصوص پائی جاتی ہیں۔

مسئلہ کی پوری بنیاد اِس ایک ہی حدیث سے مل جاتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: تَمْرُقُ مَارِقَةٌ عَلَى حِينِ فُرْقَةٍ مِنْ الْمُسْلِمِينَ فَيَقْتُلُهُمْ أَوْلَى الطَّائِفَتَيْنِ بِالْحَقِّ "ایک بدکار خارجی ٹولہ بدکار خروج کرے گا عین اُس وقت جب مسلمانوں کے آپس میں پھوٹ پڑی ہو گی، تب دونوں میں سے حق سے قریب تر گروہ ان کو مارے گا"۔ پس یہ حدیث تین گروہوں کے ذکر پر مشتمل ہوئی اور واضح کر گئی کہ مارقین (خوارج) ایک بالکل ہی تیسرا گروہ ہیں جو ان دونوں کی جنس سے نہیں ہیں۔ پس جماعتِ علیؓ جماعتِ معاویہؓ کی نسبت حق سے قریب تر ہوئی۔ جبکہ مارقین خوارج کی بابت فرما رکھا تھا: [يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِمْ وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ وَقِرَاءَتَهُ مَعَ قِرَاءَتِهِمْ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنْ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنْ الرَّمِيَّةِ أَيْنَمَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ؛ فَإِنَّ فِي قَتْلِهِمْ أَجْرًا عِنْدَ اللَّهِ لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ "تم میں ایک آدمی ان کی نماز کے آگے اپنی نماز کو ہیچ جانے گا اور ان کے روزوں کے آگے اپنے روزوں کو اور ان کے قرآن پڑھنے کے آگے اپنے قرآن پڑھنے کو۔ وہ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے گلوں سے آگے نہ گزرے گا۔ وہ اسلام سے ایسے نکلے ہوں گے جیسے تیر اپنے شکار سے گزر کر نکل جاتا ہے۔ تم جہاں ان کا سامنا کرو ان کو مارو، کیونکہ ان کو مارنے میں روز قیامت اللہ کے ہاں اجر ہے"]۔ جبکہ حدیث کے ایک لفظ یہ ہیں: [لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ

يُقَاتِلُونَهُمْ مَا لَهُمْ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِمْ لَنَكَلُوا عَنْ الْعَمَلِ "ان سے لڑنے والوں کو اگر معلوم ہو جائے کہ ان کے نبی ﷺ کی زبان سے ان کے لیے کیا اجر بیان ہوا، تو وہ سب نیک عمل چھوڑ کر (اسی کام پر ہو جائیں)"]۔ مسلمؒ نے اپنی صحیح میں خوارج سے متعلق دس طریقوں سے یہ احادیث روایت کی ہیں۔ بخاریؒ نے بھی متعدد طریق سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ سنن اور مسانید کی کتب نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ نبی ﷺ سے اس حدیث کا بیان نقل ہونا زبان زدِ عام ہے، اور امت کے ہاں قبول کی گئی ہے۔ صحابہؓ اور مابعد کے علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے، اور خوارج کے خلاف قتال کرنے پر صحابہؓ کے مابین مکمل اتفاق پایا گیا ہے۔

رہ گئے اہل جمل واہل صفین... تو ان میں سے ضرور ایک تعداد نے اس جانب سے قتال کیا۔ لیکن اکثر اکابرِ صحابہؓ (بڑے بڑے صحابہؓ) اِس جانب سے یا اُس جانب سے اس میں شریک ہی نہیں ہوئے۔ یہ قتال سے دستکش رہنے والے، نبی ﷺ سے وارد اُن بہت ساری نصوص سے استدلال کر رہے تھے جو فتنہ میں قتال سے دور رہنے کے متعلق ہیں۔ ان صحابہؓ کا کہنا تھا کہ یہ قتالِ فتنہ ہے۔

علاوہ ازیں، خوارج کے خلاف قتال سے حضرت علیؓ خوش تھے اور نبی ﷺ سے وہ حدیث روایت کرتے تھے جس میں ان کے خلاف قتال کرنے کا حکم ہے۔ جہاں تک صفین والے قتال کا تعلق ہے تو حضرت علیؓ نے واضح کر دیا کہ اس پر ان کے پاس کوئی نص نہیں ہے بلکہ یہ ان کی رائے ہے جو انہوں نے اختیار کی ہے۔ یہاں تک کہ کسی کسی وقت حضرت علیؓ ان لوگوں کو جو اس قتال کے قائل نہ تھے سراہ تک دیتے۔

جبکہ حسنؓ کے متعلق نبی ﷺ سے صحیح میں یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ

ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَسَيُصْلِحُ اللَّهُ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنْ الْمُسْلِمِينَ "میرا یہ بیٹا سردار ہے اور عنقریب اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح پیدا فرمائے گا"۔ چنانچہ نبی ﷺ نے حضرت حسنؓ کی تحسین اور تعریف فرمائی کہ اللہ ان کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے مابین صلح کی صورت پیدا کروائے گا، جو کہ جماعتِ علیؓ اور جماعتِ معاویہؓ ہیں۔ یہ بات ہی یہ واضح کر رہی ہے کہ قتال کو ترک کیے رہنا افضل تھا، اور یہ کہ یہ قتال نہ واجب تھا اور نہ مستحب۔ اُدھر "خوارج سے قتال" کا حکم دینا بلکہ اس پر ابھارنا خود نبی ﷺ سے ثابت؛ تو پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ قتال جس کا آپ ﷺ نے حکم دیا اور جس پر آپؐ نے ابھارا اور وہ قتال جس سے ہاتھ کھینچ لینے والے کی آپؐ نے تعریف فرمائی، ایک برابر ہوں؟! پس وہ لوگ جو اِن دونوں لڑائیوں کو ایک برابر کر دیں اور کہیں کہ وہ لڑائی جو جمل اور صفین میں صحابہؓ کے آپس میں چھڑ گئی تھی، اور وہ لڑائی جو صحابہؓ نے ذوالخویصرہ تمیمی اور اس جیسے خوارج مارقین اور منحرف سرکش حروریہ کے خلاف لڑی، ایک سی ہے... ان کا یہ موقف سراسر اہل جہل و اہل ظلم والا موقف ہے۔ ایسا قول کہنے والوں کا رافضہ اور معتزلہ کی جنس سے ہونا ہی لازم آئے گا جو جمل اور صفین میں لڑنے والوں کو کافر یا فاسق کہنے چل دیے، اور جن کے قول کی رُو سے جو بات خوارج بدکاروں کی بابت کہی جائے گی وہی بات اہل جمل و صفین کی بابت کہی جائے گی۔ خوارج کے تو کافر ہونے میں سلف اور ائمہ کے دو مشہور قول ہوئے ہیں، جبکہ اس پر ان کا اتفاق ہوا کہ جمل اور صفین میں لڑ بیٹھنے والے صحابہؓ کو نیکوکار جانا جائے گا اور ان کے آپس کی لڑائی بھڑائی کے متعلق زبان کو روک کر رکھا جائے گا۔ لہٰذا ان دونوں کے مابین کیا نسبت؟!

علاوہ ازیں، نبی ﷺ نے خوارج سے قتال کا حکم فرمایا قبل اس کے کہ وہ قتال کریں۔

جبکہ "اہل بغی" کی بابت اللہ رب العزت نے یوں فرمایا: [وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ "اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کراؤ پھر اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس زیادتی والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے، پھر اگر پلٹ آئے تو انصاف کے ساتھ ان میں اصلاح کر دو اور عدل کرو، بیشک عدل والے اللہ کو پیارے ہیں"]۔ چنانچہ یہاں "بغی" کرنے والوں کے ساتھ پہل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ یعنی یہ قتال "شروع" کرنا دین کا حکم نہیں بلکہ دین کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ دو مسلم فریق لڑ پڑیں تو ان کے مابین صلح کروائی جائے، ہاں اگر ان میں سے کوئی ایک فریق "بغی" پر ہی مصر ہے تو اس سے لڑا جائے۔ اسی وجہ سے فقہاء میں سے کہنے والوں نے کہا ہے کہ: باغیوں کے ساتھ قتال میں پہل نہیں کی جائے گی یہاں تک کہ وہ قتال نہ کرنے لگیں۔ جبکہ خوارج کی بابت نبی ﷺ کی ہدایات یہ ہیں کہ [أَيْنَمَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ فَإِنَّ فِي قَتْلِهِمْ أَجْرًا عِنْدَ اللَّهِ لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ "جہاں تم ان کا سامنا کرو ان کو قتل کرو؛ کیونکہ ان کے قتل کرنے میں روزِ قیامت اللہ تعالی کے ہاں بڑا اجر ہے ان کو قتل کرنے والے کو"]۔ اسی طرح فرمایا: [لَئِنْ أَدْرَكْتهمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ "اگر میں ان کو پالوں تو ضرور عاد کی طرح ان کا قتل کروں"]۔

مانعینِ زکاۃ کے ساتھ بھی قتال از خود شروع کیا جائے گا

یہی معاملہ مانعینِ زکاۃ کا ہے؛ صدیقِ اکبرؓ اور آپؓ کی سرکردگی میں صحابہ کرامؓ نے مانعینِ زکاۃ کے ساتھ قتال میں پہل کی تھی۔ صدیقِ اکبرؓ نے فرمایا تھا: "بخدا اگر اونٹ

باندھنے کی ایک رسی بھی جو یہ رسول اللہ ﷺ کو ادا کیا کرتے تھے مجھے ادا کرنے سے سرتابی کریں تو میں اس پر ان سے قتال کروں گا"۔ یہ اگرچہ ان فرائضِ شرعیہ کا اقرار کیوں نہ کریں، ادائے فرائض سے سرتابی ہی کر لینے پر ان سے قتال ہوگا۔ پھر فقہاء کے مابین مانعینِ صلاۃ وزکات کے کافر ہونے کے متعلق اختلاف ہوا ہے جس وقت وہ اس پر امام کے ساتھ قتال کی نوبت کو چلے جائیں، اگرچہ وہ ان کے وجوب کے اقراری ہی ہوں۔ یہ دو قول ہیں، اور دونوں امام احمدؒ سے روایت ہیں؛ بالکل ویسی ہی دو روایتیں جو خوارج کی تکفیر سے متعلق (امام احمدؒ سے) ہیں۔

رہ گئے "خالی بغی" کر لینے والے طبقے، تو ائمۂ دین کا اتفاق ہے کہ وہ کافر نہیں ہوتے؛ کیونکہ قرآن نے ان کے مومن اور بھائی بھائی ہونے پر نص فرمائی ہے؛ باوجود ان کے مابین قتال اور بغی ہو جانے کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مشاجراتِ صحابہؓ، چند مختصر تقریرات

شیخ الاسلام سے سوال کیا گیا:

جو شخص معاویہؓ پر لعنت کرے اس پر کیا لاگو آتا ہے؟ اور کیا نبی ﷺ کی یہ حدیث ہے کہ "جب دو خلیفہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں سے ایک لعنتی ہے"؟ نیز اس حدیث کے متعلق بتائیں کہ "عمار بن یاسرؓ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا" جبکہ ان کو معاویہؓ کی فوج نے قتل کیا؟ اور کیا اہل بیت کو لونڈی غلام بنایا گیا؟ یا حجاج بن یوسف نے کسی اہلِ بیت کا قتل کیا؟

معاویہؓ پر لعنت کرنے والے کے متعلق کیا لاگو آئے گا؟

شیخ الاسلامؒ کا جواب:

الحمد للہ۔ جو شخص نبی ﷺ کے اصحابؓ میں سے کسی پر لعنت کرے خواہ وہ صحابی معاویہؓ بن ابی سفیانؓ ہوں، یا عمروؓ بن العاص وغیرہ، اور خواہ ان سے افضل مانند ابو موسیٰ اشعریؓ اور ابو ہریرہؓ وغیرہ، یا ان سے بھی افضل مانند طلحہؓ، زبیر، عثمانؓ، علیؓ بن ابی طالبؓ، یا ابو بکر صدیقؓ، عمرؓ، ام المومنین عائشہؓ یا دیگر صحابہ کرامؓ... تو ایسا شخص سب ائمہ دین کے اتفاق کی رو سے سنگین سزا کا مستحق ہے۔ علماء میں اختلاف ہوا ہے تو بس اس قدر کہ آیا اسے قتل کیا جائے یا قتل سے کم کوئی سزا دی جائے؛ جیسا کہ ہم دوسرے مقامات پر اس کی وضاحت

کر چکے ہیں۔

صحابہؓ کو برا بھلا کہنے کی حرمت

صحیحین میں ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنْفَقَ أَحَدُكُمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ "میرے صحابہؓ کو دشنام مت دو؛ کیونکہ مجھے اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی خدا کے راستے میں خرچ کر ڈالے وہ میرے صحابہ میں سے کسی کے آدھ سیر کو بھی نہیں پہنچتا بلکہ اس سے آدھے کو بھی نہیں پہنچتا"]۔ جبکہ لعنت کرنا تو دشنام دینے سے بھی بڑھ کر سنگین ہے۔ جبکہ نبی ﷺ سے صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ [لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ "مومن کو لعنت کرنا اس کو قتل کرنے جیسا ہے"]۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ لعنت کرنے کو قتل کرنے کے برابر قرار دیتے ہیں۔

صحابیت درجہ بدرجہ ہے

اصحابِ رسولؐ مومنوں میں سب سے بر گزیدہ ہیں، جیسا کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے، فرمایا: [خَيْرُ الْقُرُونِ الْقَرْنُ الَّذِي بُعِثْت فِيهِمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ. ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ سب سے بہتر وہ نسل ہے جن کے مابین میں مبعوث ہوا ہوں، پھر ان کے بعد والے، پھر ان کے بعد والے"]۔ ہر وہ شخص جس نے حالتِ ایمان میں رسول اللہ ﷺ کا دیدار پالیا اس کو اس دیدار کے بقدر صحبت ضرور حاصل ہے۔ اس کا ثبوت رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے ملتا ہے: [يَغْزُو جَيْشٌ، فَيَقُولُ: هَلْ فِيكُمْ مَنْ صَحِبَ رَسُولَ

اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمْ. فَيُفْتَحُ لَهُمْ. ثُمَّ يَغْزُو جَيْشٌ فَيَقُولُ: هَلْ فِيكُمْ مَنْ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيَقُولُونَ، نَعَمْ. فَيُفْتَحُ لَهُمْ "مسلمانوں کی کوئی فوج (کافروں پر) چڑھائی کرنے جائے گی۔ تب کوئی آدمی کہے گا کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت حاصل ہے؟ وہ کہیں گے ہاں۔ تو ان کو فتح مل جائے گی۔ پھر مسلمانوں کی کوئی فوج چڑھائی کرے گی۔ تب کوئی آدمی کہے گا: کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس کو رسول اللہ ﷺ کا دیدار حاصل ہوا؟ وہ کہیں گے ہاں۔ تو ان کو فتح مل جائے گی" (اس کے بعد تیسرے طبقے کا بھی حدیث میں ذکر ہے)]۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا دیدار پانے پر بھی حکم کو اسی طرح معلق کیا جس طرح رسول اللہ ﷺ کی صحبت حاصل ہونے کو۔

چونکہ "صحبت" میں ایک عموم اور خصوص ہے: لہٰذا صحابہؓ میں کسی کو اگر نبی ﷺ کی ایسی صحبت ملی ہے جو اس کے مقابلے پر دوسرے صحابی کو حاصل نہیں، تو پہلا دوسرے کے مقابلے پر اُس صحابیت سے موسوم کہلائے گا۔ مثال کے طور پر ابو سعیدؓ کی وہ حدیث جو اوپر گزری ہے اسی میں نبی ﷺ خالدؓ بن الولید سے فرما رہے ہیں جو کہ عبد الرحمنؓ بن عوف کے ساتھ جھگڑ پڑے تھے: [يَا خَالِدُ لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنْفَقَ أَحَدُكُمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ "اے خالد میرے صحابہؓ کے ساتھ گالی گلوچ مت کرو؛ کیونکہ مجھے اُس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا بھی خدا کے راستے میں خرچ کر ڈالے وہ میرے صحابہ میں سے کسی کے آدھ سیر کو بھی نہیں پہنچ سکتا بلکہ اس سے آدھے کو بھی نہیں پہنچ سکتا"۔ وجہ یہ کہ عبد الرحمٰنؓ بن عوف اور ان جیسے دیگر بزرگ

صحابہؓ سابقین اولین میں سے تھے جنہوں نے فتح حدیبیہ سے پہلے انفاق اور جہاد کیا تھا؛ جبکہ خالدؓ بن الولید ان صحابہؓ میں آتے ہیں جو فتح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے اور جن کا انفاق اور قتال اُن پہلوں کے انفاق اور قتال کے برابر نہیں۔ قرآن میں اس پر آیت ہے: [**لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى** "تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے وہ کبھی اُن لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہے اُن کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں؛ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے"]۔ اس آیت میں "فتح" سے مراد ہے فتحِ حدیبیہ جس میں نبی ﷺ نے درخت کے نیچے کھڑے ہو کر صحابہؓ سے بیعت لی تھی۔ یہاں آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کی تعداد چودہ سو تک پہنچتی تھی، پھر انہی صحابہؓ نے (اس سے تھوڑے عرصے بعد) خیبر فتح کیا تھا، جبکہ صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا: "درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے کوئی ایک بھی دوزخ میں نہیں جانے والا"۔

یہ سورۃ الفتح کی آیت ہے جو فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی، بلکہ نبی ﷺ کے عمرۂ قضاء سے بھی پہلے نازل ہوئی، جبکہ نبی ﷺ کے ہاتھ پر صحابہؓ کی بیعتِ رضوان سن چھ ہجری میں ہوئی تھی، اسی موقع پر صلح حدیبیہ کا مشہور واقعہ پیش آیا؛ اور اس صلح سے مسلمانوں کو کمال فتح اور خیر حاصل ہوئی تھی باوجود اس کے کہ اُس وقت بہت سے مسلمانوں کو اس پر شدید عدم اطمینان تھا جبکہ ان کو اندازہ نہ تھا کہ اس سے کیسی کیسی خیر برآمد ہونے والی ہے۔ اسی بناپر حضرت سہل بن حنیفؓ فرمایا کرتے تھے: [أَيُّهَا النَّاسُ اتَّهِمُوا الرَّأْيَ، فَقَدْ رَأَيْتُنِي

يَوْمَ أَبِي جَنْدَلٍ وَلَوْ أَسْتَطِيعُ أَنْ أَرُدَّ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْرَهُ لَرَدَدْت "اے لوگو اپنی رائے کو مشکوک ٹھہرایا کرو؛ کیونکہ مجھے اپنا ابو جندلؓ والے روز کا حال معلوم ہے گویا اُس روز اگر میں رسول اللہ ﷺ کی بات لوٹا سکتا تو لوٹا دیتا"]۔ سہلؓ کا یہ قول بخاری اور دیگر کتب حدیث میں آیا ہے۔ اگلے سال نبی ﷺ نے عمرہ ادا کیا؛ آپؐ اور آپؐ کے اصحابؓ زائرینِ عمرہ کے طور پر مکہ میں داخل ہوئے جبکہ اہل مکہ ابھی مشرکین ہی کے ساتھی تھے۔ اس سے اگلے سال، سن آٹھ ہجری میں، ماہِ رمضان میں مکہ فتح ہوا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح میں فرمایا تھا: [لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا "تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہوگے اگر اللہ چاہے امن وامان سے اپنے سروں کے بال منڈاتے یا ترشواتے بے خوف، تو اس نے جانا جو تمہیں معلوم نہیں تو اس سے پہلے ایک نزدیک آنے والی فتح رکھی"]۔ چنانچہ سورۃ الفتح میں تو ابھی اس بات کا وعدہ ہے کہ صحابہؓ مکہ میں بے خوف داخل ہوں گے۔ اور یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے اگلے سال (عمرۂ قضاء) کے اندر پورا فرمایا، اور اس معاملہ میں یہ حکم نازل فرمایا: [الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ "حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے ہیں اور حرمتیں ادلے بدلے کی ہیں"]۔ لہٰذا یہ سب ماجرا تو فتح مکہ سے پہلے کا ہے،[68] لہٰذا جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ سورۃ الفتح فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی وہ فاش غلطی پر ہے۔

---

[68] ظاہر ہے، فتح مکہ کے بعد "وعدہ" کرنے کی کیا ضرورت کہ تم ضرور بضرور مسجد حرام میں داخل ہونے والے ہو!

مقصد یہ کہ وہ صحابہؓ جن کو فتح حدیبیہ سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہے وہ صحبت کے اُس خاص مرتبہ پر فائز ہیں جس کی بدولت وہ اپنے بعد والوں پر ایک خاص فضیلت رکھتے ہیں، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ خالد بن الولید سے فرمادیتے ہیں:[لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي "تم لوگ میرے صحابہؓ کو گالی مت دو"]۔ کیونکہ ان اصحابؓ کو خالدؓ وغیرہ سے پہلے صحبت کا شرف حاصل ہے۔

ابو بکرؓ کو بطور خاص "صحابی" کہا جانا

پھر اسی طرح ابو بکرؓ کو نبی ﷺ کی صحبت کا جو ایک خاص امتیاز حاصل تھا اور جس میں وہ باقی سب صحابہؓ سے الگ ہیں، تو ابو بکرؓ کو خصوصی طور پر صحابی کہہ دیا گیا جیسا کہ ابوالدرداءؓ سے مروی بخاری کی صحیح حدیث میں ہے:[أَنَّهُ كَانَ بَيْنَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ كَلَامٌ، فَطَلَبَ أَبُو بَكْرٍ مِنْ عُمَرَ أَنَّ يَسْتَغْفِرَ لَهُ فَامْتَنَعَ عُمَرُ، وَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ لَهُ مَا جَرَى، ثُمَّ إِنَّ عُمَرَ نَدِمَ، فَخَرَجَ يَطْلُبُ أَبَا بَكْرٍ فِي بَيْتِهِ، فَذَكَرَ لَهُ أَنَّهُ كَانَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا جَاءَ عُمَرُ أَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْضَبُ لِأَبِي بَكْرٍ؛ وَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي جِئْت إِلَيْكُمْ فَقُلْت: إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ، فَقُلْتُمْ كَذَبْت، وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ صَدَقْت فَهَلْ أَنْتُمْ تَارِكُو لِي صَاحِبِي فَهَلْ أَنْتُمْ تَارِكُو لِي صَاحِبِي۔ فَمَا أُوذِيَ بَعْدَهَا "کہ ایک بار حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان کسی بات پر تکرار ہوگئی تو ابو بکرؓ نے عمرؓ سے کہا کہ وہ ان کے لیے استغفار کریں لیکن عمرؓ نے ایسا نہ کیا۔ ابو بکرؓ نبی ﷺ کے پاس چلے آئے اور آپ ﷺ سے یہ ماجرا ذکر کیا۔ کچھ دیر

بعد عمرؓ پشیمان ہوئے اور ابو بکرؓ کے پیچھے ان کے گھر گئے۔ تب عمرؓ کو بتایا گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پائے گئے ہیں۔ جب عمرؓ وہاں پہنچے تو نبی ﷺ ابو بکرؓ کے حق میں غصہ ظاہر فرمانے لگے؛ اور کہا: "لوگو! میں تمہارے پاس دعوت لے کر آیا اور میں نے کہا میں تمہاری طرف اللہ کا پیغمبر ہوں تو تم نے مجھے جھٹلایا اور ابو بکرؓ نے میری تصدیق کی۔ کیا تم میرے صحابی کو میری خاطر چھوڑ سکتے ہو؟ کیا تم میرے صحابی کو میری خاطر چھوڑ سکتے ہو؟" اس کے بعد ابو بکرؓ کو کبھی نہیں ستایا گیا"]۔ چنانچہ یہاں "صحبت" کے حوالے سے حضرت ابو بکرؓ کی تخصیص ہوئی ہے۔ خود قرآن مجید نے حضرت ابو بکرؓ کی یہ تخصیص کی ہے: [ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا "دو کا دوسرا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے صحابی سے کہہ رہا تھا غم مت کرو، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے"]۔ اسی طرح یہ حدیث: [وَفِي الصَّحِيحَيْنِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ عَبْدًا خَيَّرَهُ اللَّهُ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، فَاخْتَارَ ذَلِك الْعَبْدُ مَا عِنْدَ اللَّهِ فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ، فَقَالَ: بَلْ نَفْدِيك بِأَنْفُسِنَا؛ وَأَمْوَالِنَا. قَالَ: فَجَعَلَ النَّاسُ يَعْجَبُونَ أَنْ ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدًا خَيَّرَهُ اللَّهُ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الْمُخَيَّرَ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ أَعْلَمَنَا بِهِ. وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إنَّ أَمَنَّ النَّاسِ عَلَيْنَا فِي صُحْبَتِهِ وَذَاتِ يَدِهِ أَبُو بَكْرٍ، وَلَوْ كُنْت مُتَّخِذًا مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ خَلِيلًا لَاتَّخَذْت أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا؛ وَلَكِنْ أَخِي وَصَاحِبِي، سُدُّوا كُلَّ خَوْخَةٍ فِي الْمَسْجِدِ إلَّا خَوْخَةَ أَبِي بَكْرٍ "صحیحین میں ابو سعیدؓ سے روایت ہے، کہ نبی ﷺ ایک بار فرمانے لگے: ایک بندے کو

اللہ نے چناؤ دیا کہ دنیا میں رہنا اختیار کرلے یا آخرت میں، تو اس بندے نے اللہ کے پاس والی چیز کو ہی اختیار کر لیا۔ تب ابو بکرؓ رو پڑے اور بولے: ہمارے تو جان اور مال آپ پر قربان! ابو سعیدؓ کہتے ہیں لوگ اس پر تعجب کرنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ تو یہ فرما رہے ہیں کہ اللہ نے اپنے ایک بندے کو دنیا اور آخرت کے مابین چناؤ دے دیا ہے؛ حالانکہ رسول اللہ ﷺ ہی وہ ہستی تھے جن کو اللہ نے دنیا اور آخرت کے مابین چناؤ دے دیا تھا، دراصل ابو بکرؓ ہم میں سب سے زیادہ علم والے تھے۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے ہم سب سے بڑھ کر احسان مند ہیں ساتھ کے معاملے میں بھی اور خرچ کے معاملے بھی وہ ابو بکرؓ ہیں۔ اور اگر میں دنیا کے کسی شخص کو اپنا خلیل بناتا تو ابو بکرؓ کو اپنا خلیل بنالیتا؛ مگر وہ میرے بھائی ہیں اور میرے صحابی ہیں، مسجد کی جانب کھلنے والے سب کواڑوں کے اندر چنائی کر دو سوائے ایک ابو بکرؓ کے کواڑ کے "]۔ رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال و احوال کے عارف علماء کا اتفاق ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے مروی صحیح ترین احادیث میں سے ایک ہے۔

یہاں ان شواہد کو پیش کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ "صحابیت" میں خصوص اور عموم ہے۔ اس کے عموم کے تحت جو بات مندرج ہوتی ہے وہ یہ کہ کسی نے بحالتِ ایمان نبی ﷺ کا دیدار پالیا ہو۔ یہ وجہ ہے کہ صحابہؓ کے تعارف میں یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کو ایک سال کی صحبت حاصل ہے، یا فلاں کو ایک ماہ کی، یا فلاں کو ایک ساعت کی، علیٰ ھٰذا القیاس۔

معاویہؓ و عمروؓ بن العاص وغیرھم کے متعلق سلف کی رائے:

جبکہ معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ اور ان جیسے دیگر اہل ایمان وہ ہیں جن پر سلف میں سے کسی

ایک نے بھی کبھی نفاق کا الزام نہیں دھرا۔ بلکہ صحیح حدیث میں ثابت ہے: [عَمْرَو بْنَ العاص لَمَّا بَايَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: عَلَى أَنْ يُغْفَرَ لِي مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِي. فَقَالَ:يَا عَمْرُو أَمَا عَلِمْت أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ "عمرو بن العاصؓ نے جب نبی ﷺ سے بیعت کی تو بولے: اس شرط پر کہ میرے پچھلے جرم بخشے جائیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمرو! کیا تجھے معلوم نہیں اسلام (لانا) پچھلا سب کچھ منہدم کر دیتا ہے"]۔ اب یہ معلوم ہے کہ وہ اسلام لانا جو پچھلا سب کچھ منہدم کر دے مومنوں والا اسلام لانا ہی ہے؛ نہ کہ منافقوں والا اسلام لانا۔ نیز یہ کہ عمروؓ بن العاص اور ان جیسے دیگر بزرگ جو حدیبیہ کے بعد نبی ﷺ کی طرف ہجرت کر آئے تھے وہ اپنی مرضی سے ہجرت کر آنے والے تھے نہ کہ مجبوراً۔

منافقین صرف اہل مدینہ میں ہوئے؛ اس بات کا پس منظر

پھر مہاجرین میں منافق کوئی ہے ہی نہیں؛ بلکہ نفاق ہوا ہے کچھ ان لوگوں میں جو انصار کے مابین سے اسلام لائے تھے۔ اور وہ یوں کہ انصار لوگ اہل مدینہ ہیں، چنانچہ جب مدینہ کے وڈیرے اور وہاں کے جمہور اسلام لے آئے تو باقیوں کو از راہِ نفاق اسلام ظاہر کیے بغیر چارہ نہ رہا؛ اس لیے کہ اسلام ان کی قوم میں معزز اور طاقتور ہو چکا تھا۔ رہے اہل مکہ تو ان کے وڈیرے اور ان کے جمہور کافر ہی چلے آئے تھے؛ سو یہاں ایمان وہی ظاہر کرنے والا تھا جو ظاہر و باطن میں مومن ہوتا۔ مکہ میں اسلام ظاہر کرنے والوں کو تو دنیا کی اذیت اٹھانا پڑتی۔ پھر نبی ﷺ کے مدینہ ہجرت کر آنے کے ساتھ اکثر اہل ایمان گو وہاں سے ہجرت کر آئے تھے، مگر بعض کو ہجرت کرنے تک نہیں دی گئی، جیسا کہ بنی مخزوم کے کچھ مرد

مانند ولید بن ولید بن المغیرہ جو خالدؓ کے سگے اور ابو جہل کے سوتیلے بھائی تھے۔ یہ وجہ ہے نبی ﷺ کو قنوت میں یہ دعا کرنا پڑ گئی تھی: [اللَّهُمَّ نَجِّ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ، وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، والمستضعفين مِنْ الْمُؤْمِنِينَ. اللَّهُمَّ اُشْدُدْ وَطْأَتَك عَلَى مُضَرَ، وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سنينا كَسِنِي يُوسُفَ "اے اللہ ولید کو چھٹکارا دلا۔ اور سلمہ بن ہشام کو۔ اور مومنوں میں سے بے بس کر دیے جانے والوں کو۔ اے اللہ مضر پر اپنی پکڑ کو سخت کر دے اور ان پر ویسی خشک سالی کر دے جیسی یوسف علیہ السلام والی خشک سالی تھی"] جبکہ مہاجرین میں تو اول تا آخر کوئی ایسا ہے نہیں جسے کسی نے بھی کبھی بھی نفاق سے موسوم کیا ہو۔ بلکہ وہ سب مومن ہوئے؛ جن کے خیر پر ہونے کی گواہی دی گئی ہے۔ جبکہ [وَلَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ "مومن کو لعنت کرنا اسے قتل کرنے ہی کی طرح ہے"]۔

نبی ﷺ کا معاویہؓ کو اپنا کاتب بنانا اور ان کے حق میں دعا فرمانا

رہ گئے معاویہؓ بن ابی سفیانؓ اور ان جیسے دیگر طُلَقاء جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے مانند: عکرمہؓ بن ابی جہل، حارثؓ بن ہشام، سہیلؓ بن عمرو، صفوانؓ بن امیہ، ابو سفیانؓ بن الحارث بن عبد المطلب، تو یہ اور ان جیسے دیگر بزرگ جن کے اچھا مسلمان ہونے پر مسلمانوں کا اتفاق ہے، اور جن میں سے کسی ایک پر بھی بعد ازاں نفاق کا الزام نہیں دھرا گیا۔ جبکہ معاویہؓ کو تو نبی ﷺ نے اپنا کاتب تک بنایا اور دعاء فرمائی: [اللَّهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ، وَقِهِ الْعَذَابَ "اے اللہ اسے کتاب اور حساب کا علم دے، اور اسے عذاب سے بچا"]۔ جبکہ معاویہؓ کے بھائی یزیدؓ بن ابی سفیانؓ ان سے بھی بہتر اور افضل تھے، وہ تو ان امراء میں تھے جنہیں ابو بکر صدیقؓ نے فتح شام کی مہم میں روانہ فرمایا، انہیں اپنی وہ معروف

نصیحت فرمائی جب ابو بکرؓ پیدل چلے جارہے تھے اور یزیدؓ سوار۔ تو انہوں نے عرض کیا: اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ! یا آپ سوار ہو جائیں یا میں اترتا ہوں۔ تو آپؓ نے فرمایا: نہ میں سوار ہوں گا نہ تم اترو گے۔ میں تو اللہ کے راستے کے اس ایک ایک قدم کا اجر گن رہا ہوں۔ جبکہ عمروؓ بن العاص اس (فتحِ شام مہم) کے ایک اور امیر تھے۔ تیسرے امیر شرحبیلؓ بن حسنہ، اور چوتھے خالدؓ بن الولید تھے، جو کہ ان سب کے امیر عام بھی تھے۔ بعد ازاں انہیں عمرؓ نے معزول کر کے ابو عبیدہؓ بن الجراح کو مقرر کر دیا، جن کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو اس امت کا امین قرار دیا تھا۔ یوں شام کی فتح ابو عبیدہؓ اور عراق کی فتح سعدؓ بن ابی وقاص کے ہاتھ پر ہوئی۔

عمرؓ ایسی ہستی کا معاویہؓ کو والی بنانا کیا دلالت رکھتا ہے؟

پھر جب خلافتِ عمرؓ کے دوران یزیدؓ بن ابی سفیانؓ فوت ہوئے تو عمرؓ نے ان کے بھائی معاویہؓ کو ان کی جگہ اپنا عامل بنایا۔ اب یہ تو معلوم ہی ہے کہ عمرؓ کیسی فراست رکھنے والی ایک مردم شناس، حق پر سب سے بڑھ کر ڈٹ جانے اور حق کو سب سے زیادہ جاننے والی ہستی تھے۔ یہاں تک کہ علیؓ کا ایک قول آتا ہے: "ہم باتیں کیا کرتے تھے کہ سکینت عمرؓ کی زبان پر بولتی ہے"۔ اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے: [إِنَّ اللَّهَ ضَرَبَ الْحَقَّ عَلَى لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِهِ "بے شک اللہ نے عمر کی زبان اور قلب پر حق جاری فرما دیا ہے"] نیز فرمایا: [لَوْ لَمْ أُبْعَثْ فِيكُمْ لَبُعِثَ فِيكُمْ عُمَرُ "اگر میں تم میں مبعوث نہ ہوتا تو عمر تم میں مبعوث ہوتا"]۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں: میں نے نہیں دیکھا کہ عمرؓ نے کسی چیز کے متعلق کہا ہو کہ وہ یوں اور یوں ہے اور وہ عین ویسی نہ نکلی ہو۔ نیز نبی ﷺ کا عمرؓ کو فرمانا: [مَا رَآكَ الشَّيْطَانُ

سَالِكًا فَجًّا إِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّك "شیطان تمہیں جس بھی گھاٹی میں چلتا دیکھ لے تو وہ تمہاری گھاٹی سے ہٹ کر کوئی گھاٹی چلنے لگتا ہے"]۔

ابوبکرؓ اور عمرؓ نے کبھی کسی منافق کو والی بنایا اور نہ اپنے کسی رشتہ دار کو

نہ عمرؓ نے اور نہ ابو بکرؓ نے کبھی کسی منافق کو مسلمانوں پر والی مقرر کیا اور نہ کبھی اپنے کسی رشتہ دار کو۔ اور نہ اللہ کے معاملہ میں ان دونوں بزرگوں کو کبھی کسی ملامت کرنے والی کی ملامت کی پرواہوئی۔ بلکہ حال یہ تھا، کہ ان دونوں بزرگوں نے جب اہل ارتداد سے جنگ کی اور انہیں اسلام میں واپس بھی لے آئے، تو انہیں ممانعت فرمائے رکھی کہ نہ گھوڑے پر سوار ہوں اور نہ ہتھیار لے کر پھریں تاوقتیکہ ان کی توبہ کا صحیح ہونا سامنے نہ آجائے۔ (ان کے متعلق) عمر، سعدؓ بن ابی وقاص سے، جس وقت وہ امیرِ عراق تھے، فرمایا کرتے تھے: ان میں سے کسی کو عہدہ مت دینا اور نہ ان سے جنگی امور میں مشورہ لینا۔ جبکہ یہ بڑے بڑے اکابر سردار تھے مانند طلیحہ اسدی، اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن، اشعث بن قیس کندی، وغیرھم۔ ایسوں سے ابو بکرؓ و عمرؓ کو جب ایک قسم کے نفاق کا اندیشہ ہوا تو انہیں مسلمانوں پر والی بنایا ہی نہیں۔

نبیﷺ کا عمروؓ بن العاص اور ابوسفیانؓ کو امارت و ولایت دینا

چنانچہ عمروؓ بن العاص اور معاویہؓ بن ابی سفیانؓ ایسے حضرات سے اگر نفاق کا اندیشہ بھی ہوتا تو کبھی وہ انہیں مسلمانوں کے اوپر والی نہ بناتے۔ بلکہ عمروؓ بن العاص کو تو نبی ﷺ نے ذات السلاسل کی مہم میں امیر بنایا تھا، جبکہ نبی ﷺ نے کبھی کسی منافق کو مسلمانوں پر والی

نہیں بنایا۔ نبی ﷺ نے معاویہؓ کے والد ابوسفیانؓ بن حرب کو بھی نجران پر والی بنایا تھا۔ نبی ﷺ کی وفات ہوئی تو اس حال میں کہ ابوسفیانؓ نجران پر آپ ﷺ کے نائب تھے۔ جبکہ مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ معاویہؓ اپنے والد ابوسفیانؓ کی نسبت اسلام میں بڑھ کر تھے۔ تو پھر یہ حضرات منافقین کیسے ہو سکتے ہیں در حالیکہ نبی ﷺ مسلمانوں کے امور میں ان پر علم اور عمل ہر دو معاملہ میں اعتماد فرماتے ہوں۔

روایتِ حدیث میں معاویہؓ و عمروؓ کا عدل ہونا

پھر یہ معلوم ہے کہ معاویہؓ اور عمروؓ بن العاص وغیرھم کے مابین فتنوں اور لڑائیوں ایسا بہت کچھ ہوا، در حالیکہ نہ ان کے اپنوں میں سے کسی نے اور نہ ان کے ساتھ لڑنے والوں میں سے کسی نے، اور نہ ان کے علاوہ لوگوں میں سے کسی نے، ان پر نبی ﷺ پر جھوٹ بولنے کا الزام لگایا۔ بلکہ علماء سب کے سب، چاہے وہ صحابہؓ میں سے ہوں، چاہے تابعینؒ میں سے، اور چاہے بعد والوں میں سے، متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بابت انہوں نے جو بولا اس میں یہ سچے ہیں اور آپ ﷺ سے روایت کرنے میں قابل اعتماد۔ جبکہ منافق نبی ﷺ کے معاملہ میں قابل اعتماد نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ آپ ﷺ پر جھوٹ بولنے اور آپ ﷺ کو جھٹلانے والا ہوتا ہے۔

معاویہؓ و دیگر اصحابؓ پر لعنت کرنے والے کا حکم

اب اگر یہ حضرات مومن ہیں، اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرنے والے ہیں، تو ان پر لعنت کرنے والا اللہ اور اس کے رسولؐ کا نافرمان ہوا۔ جبکہ صحیح بخاری میں آتا ہے کہ ایک آدمی جسے حمار پکارا جاتا تھا، اور وہ شراب پی لیا کرتا تھا، اور جب بھی اسے شراب کے جرم

میں پکڑ کر نبی ﷺ کے پاس لایا جاتا آپ ﷺ اسے کوڑے لگواتے، اس کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا تھا: اس کو لعنت مت کرو؛ اس لیے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے۔ ہر مومن اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرنے والا ہی ہوتا ہے؛ اور جو اللہ اور رسولؐ سے محبت نہیں کرتا وہ مومن ہوتا ہی نہیں، اگرچہ ایمان قرار پانے والی محبت وغیرہ احوال میں یہ سب مختلف درجوں پر ہوں۔ باوجودیکہ خود نبی ﷺ ہی نے [لَعَنَ الْخَمْرَ، وَعَاصِرَهَا، وَمُعْتَصِرَهَا، وَشَارِبَهَا، وَسَاقِيَهَا، وَحَامِلَهَا، وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ، وَآكِلَ ثَمَنِهَا "لعنت فرمائی شراب پر، اسے نچوڑنے والے پر، اسے نچڑوانے والے پر، اس کے پینے والے پر، اس کے پلانے والے پر، اس کی بار برداری کرنے اور کروانے والے پر، اور اس کا مول کھانے والے پر"]۔ ادھر آپ ﷺ اس متعین شخص پر (بار بار شراب پی بیٹھنے کے باوجود) لعنت سے ممانعت فرما رہے ہیں۔ وجہ یہ کہ لعنت "وعید" کے باب سے ہے۔ (یہ وہ باب ہے) جس میں عمومی طور پر تو وہ حکم لگایا جاتا ہے (جو نص میں وارد ہوا) لیکن جہاں تک ایک شخص کو متعین کر کے بات کرنے کا معاملہ ہے تو وہ وعید اس (خاص شخص) سے ٹل بھی سکتی ہے، خواہ کسی توبہ صحیحہ کی بنیاد پر، خواہ کچھ ایسی نیکیوں کی بنیاد پر جو آدمی کی برائیوں کو مٹا دینے والی ہوں، یا کچھ ایسے مصائب کی بنیاد پر جو اس کا کفارہ بننے والے ہوں، یا کسی ایسی شفاعت کی بنیاد پر جو اللہ کے ہاں قبول ہو جانے والی ہو، یا اسی طرح کے کچھ اور اسباب جو گناہگار سے اس کی عقوبت کو رفع کروا دینے کا موجب ہو سکیں۔ یہ بات بھی اس شخص کے متعلق ہے جس کا گناہ ثابت ہو چکا۔ اسی طرح، حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا واقعہ، انہوں نے جو کیا سو کیا، یہ اپنے غلاموں کے ساتھ بھی زیادتی کر جاتے تھے، یہاں تک صحیح حدیث میں آتا ہے کہ حاطبؓ کے غلام نے نبی ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی

قسم حاطب بن ابی بلتعہ دوزخ میں جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے جھوٹ کہا: وہ بدر اور حدیبیہ میں شریک ہو چکا ہے۔ صحیح حدیث میں علیؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو اور زبیرؓ بن العوام کو روانہ کیا اور فرمایا: خاخ کے باغ جاؤ، وہاں ایک مسافر عورت ہے اور اس کے پاس ایک خط ہے۔ علیؓ کہتے ہیں: ہم سرپٹ گھوڑے بھگاتے نکلے یہاں تک کہ عورت کو جالیا۔ ہم نے پوچھا: خط کہاں ہے؟ بولی: میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے کہا: نکالو خط، ورنہ ہمیں کپڑے اتارنے پڑیں گے۔ فرمایا: تب اس نے اپنے گندھے بالوں کی چوٹی سے وہ خط نکالا۔ ہم نے اسے نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ کیا دیکھتے ہیں: ایک خط ہے حاطب کی طرف سے بعض مشرکینِ مکہ کی جانب، جس میں وہ ان کو نبی ﷺ کے بعض معاملات سے مطلع کر رہے ہیں۔ تب نبی ﷺ نے فرمایا: حاطب یہ کیا؟ بولا: اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول! میں نے نہ یہ مرتد ہونے کے تحت نہیں کیا اور نہ اسلام لانے کے بعد کفر پر راضی ہونے کے تحت۔ بلکہ معاملہ یہ تھا کہ میں قریش میں باہر کا آدمی ہوں۔ آپ کے ساتھ جو مسلمان ہیں ان کی اپنی اپنی رشتہ داریاں ہیں جن کے بل پر یہ مکہ میں اپنے اہل و عیال کا بچاؤ کر لیں گے۔ سو میں نے چاہا کہ میں جو اس (حیثیت) سے محروم ہوں تو ان پر کچھ احسان کر لوں، جس کے بدلے وہ میرے قرابت داروں کا بچاؤ کر دیں۔ ایک روایت کے الفاظ میں: جبکہ مجھے معلوم تھا کہ یہ آپ کا نقصان نہ کرے گا۔ مراد یہ کہ اللہ نے اپنے رسولؐ اور مومنوں کی مدد تو کرنی ہی ہے۔ اس پر عمرؓ بولے: اس منافق کی گردن مجھے مارنے دیجیے۔ جس پر نبی ﷺ نے فرمایا: دیکھو یہ بدر میں شریک ہو چکا ہے، اور تم کیا جانو اللہ اہل بدر کے احوال سے مطلع ہو کر فرما چکا: کرو جو چاہو میں نے تمہاری بخشش کر دی۔ چنانچہ یہ اتنا بڑا گناہ اللہ نے حاطبؓ کو بدر میں شریک ہونے کے بدلے بخش دیا۔ پس معلوم ہوا ایک

بڑی نیکی کے بدلے اللہ ایک بڑا گناہ بخش دیتا ہے۔ مسلمانوں کا شریعت کے وعد اور وعید پر ایمان ہے، نبی ﷺ کا فرمان ہے: [مَنْ كَانَ آخِرَ كَلَامِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ "جس کا آخری بول لا الہ الا اللہ ہوا، وہ جنت میں داخل ہو گا"، وغیرہ وغیرہ وعد۔ جبکہ دوسری طرف یہ وعیدیں کہ [إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا "جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ نری اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب دہکتی آگ میں داخل ہوں گے"]۔

نرے ظن کی بنیاد پر کسی کو متعین کر کے جنتی یا دوزخی کا حکم نہ لگایا جائے گا

یہ وجہ ہے، کسی شخص کو متعین کر کے نہ تو جنتی ٹھہرایا جائے گا الا یہ کہ کوئی دلیل خاص اس شخص کے متعلق آچکی ہو، اور نہ متعین کر کے دوزخی ٹھہرایا جائے گا الا یہ کہ کوئی دلیلِ خاص اس شخص کے متعلق آچکی ہو۔ محض ایک عموم میں آنے کی بنیاد پر اس کو معین طور پر جنتی یا دوزخی نہ کہا جائے گا۔ اس لیے کہ وہ ہر دو عموم میں بیک وقت آسکتا ہے، یعنی ایک پہلو سے وہ ثواب کا مستحق ہو اور ایک پہلو سے عقاب کا۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: [فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ "پس جو ایک ذرہ خیر کرے تو وہ اسے دیکھ لے گا"] اور [وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ "اور جو ایک ذرہ برائی کرے تو وہ اسے دیکھ لے گا"]۔ آدمی کے دامن میں جب بیک وقت گناہ اور نیکیاں پائی گئی ہوں، تو اگرچہ وہ اپنے گناہوں پر پاداش کا مستحق ہو گا، لیکن اللہ اس کی نیکیوں پر اس کو ثواب بھی دینے والا ہے، جبکہ مومن سے اگر کچھ سرزد ہو گیا ہے تو وہ اس کی نیکیوں کو تباہ و برباد نہیں کر دیتا۔ بلکہ کسی کبیرہ گناہ کی وجہ سے نیکیاں برباد ہونے کا عقیدہ خوارج اور معتزلہ کا ہے جن کا کہنا ہے کہ کبائر کے مرتکب دائمی

دوزخ پانے والے ہیں، اور وہ کسی شفاعت یا کسی بھی اور سبب سے دوزخ سے نکلنے والے نہیں، اور یہ کہ کبیرہ گناہ والے کے ہاں ایمان سرے سے رہتا ہی نہیں۔ جبکہ یہ فاسد اقوال ہیں جو کتاب، سنتِ متواترہ اور اجماعِ صحابہؓ کے خلاف ہیں۔

معصوم عن الخطأ کا مسئلہ

تمام اہل سنت اور ائمۂ دین نہ تو صحابہ اور نہ اہل بیت اور نہ سابقین وغیرہ، کسی کی عصمت کے قائل نہیں۔ ان کے نزدیک، ان حضرات سے گناہوں کا سرزد ہونا ممکن ہے، جبکہ اللہ ان کو معاف اور ان کے درجات بلند فرمانے والا ہے، یا تو توبہ کے نتیجہ میں، یا برائیوں کو مٹا ڈالنے والی نیکیوں کے نتیجہ میں، یا اس قبیل کے کسی اور سبب سے۔ فرمایا: [وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ. لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ. لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ "اور وہ جو یہ سچ لے کر آیا، اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی، وہی ہیں متقی۔ ان کے لیے ہے ان کے رب کے یہاں، جو وہ چاہیں۔ یہی ہے صلہ نیکوکاروں کا۔ تاکہ اللہ ان سے دھو ڈالے برے سے برا کام جو انہوں نے کیا۔ اور انہیں ان کے ثواب کا صلہ دے اچھے سے اچھے کام پر جو وہ کرتے تھے]۔ [حَتَّى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ أُولَئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ "یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری طاقت کو پہنچا اور چالیس سال کا ہو گیا تو لگا کہنے: پروردگار مجھے توفیق

بخش کہ میں شکر کروں تیری نعمتوں کا جو تو نے مجھ پر کیں اور میرے والدین پر کیں، اور ایسے نیک عمل کر جاؤں جو تجھے پسند آئیں۔ اور نیکی ڈال دے میری اولاد میں۔ میں تائب ہوا تیری طرف اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوا۔ یہ ہیں وہ جن کے بہترین اعمال ہم قبول کر لیتے ہیں اور ان کی برائیوں سے ہم درگزر فرما دیتے ہیں، انہیں اصحاب جنت میں (کر کے)۔ وہ سچا وعدہ جو ان کو دیا جاتا رہا تھا"]۔ ہاں انبیاء ہیں جن کی بابت علماء نے کہا کہ وہ گناہوں پر اصرار سے معصوم ہیں۔ رہ گئے صدیقین، شہداء اور صالحین، تو وہ معصوم نہیں ہیں۔ یہ بھی ان گناہوں سے متعلق ہے جو کسی پر ثابت ہو گئے ہوں۔ رہ گئے وہ امور جن میں وہ مجتہد ہوئے ہوں، تو کہیں وہ ان میں صائب ہوں گے تو کہیں مخطئ۔ جہاں اپنے اجتہاد میں صائب ہوئے وہاں ان کے لیے دہرا اجر۔ اور جہاں اجتہاد میں مخطئ ہوئے وہاں اجتہاد پر ان کو اکہرا اجر، جبکہ خطا ان کی معاف۔ جبکہ اہلِ ضلال کا مسلک: خطا اور گناہ کو لازم و ملزوم ٹھہرانا۔ چنانچہ کہیں یہ ان کے معاملہ میں غلو کریں گے اور انہیں معصوم عن الخطا ٹھہرانے چل دیں گے۔ اور کہیں یہ ان کے معاملہ میں جفا کریں گے اور خطا کی بنیاد پر ان کو زیادتی کا مرتکب ٹھہرانے لگیں گے۔ جبکہ اہلِ علم ایمان کا دستور: نہ تو انہیں معصوم ٹھہرانا اور نہ ان پر گناہگار ہونے کا حکم لگانا۔

خاص اسی مقام سے ہی بہت سے اہل بدعت و ضلال فرقے پیدا ہوئے۔ کہیں کسی نے سلف کو گالیاں اور لعنتیں کر ڈالیں، اس لیے کہ ان کے خیال میں وہ گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں اور یہ کہ ایسے گناہ کرنے والے لعنت ہی کے مستحق ہوتے ہیں، بلکہ کسی وقت ان کو فاسق یا کافر کہنے تک چل دیے، جیسا کہ خوارج نے کیا جو علیؓ بن ابی طالب اور عثمانؓ بن عفان نیز ان دونوں بزرگوں کے حمایتیوں کی تکفیر کرتے، ان پر لعنتیں کرتے، ان کو برا بھلا

کہتے، اور ان سے لڑنا روا کر لیتے رہے۔انہی کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: [يحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِمْ، وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ، وَقِرَاءَتَهُ مَعَ قِرَاءَتِهِمْ، يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنْ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنْ الرَّمِيَّةِ "تم میں ایک آدمی ان کی نمازوں کے مقابلے پر اپنی نماز، ان کے روزوں کے مقابلے پر اپنے روزوں اور ان کے قرآن پڑھنے کے مقابلے پر اپنے قرآن پڑھنے کو حقیر جانے گا۔ یہ قرآن پڑھتے ہوں گے جو ان کے حلق سے آگے نہ گزرے گا۔ اسلام سے ایسے نکلیں گے جیسے تیر اپنے ہدف سے"]۔ نیز فرمایا: [تَمْرُقُ مَارِقَةٌ عَلَى فِرْقَةٍ مِنْ الْمُسْلِمِينَ، فَتُقَاتِلُهَا أَوْلَى الطَّائِفَتَيْنِ لِأَجْلِ الْحَقِّ "ایک بدکار خروج کرنے والا گروہ مسلمانوں کے ایک ٹولے کے خلاف بدکار خروج کرے گا، تب دو ٹولوں میں اقرب الی الحق ٹولہ ان سے قتال کرے گا"]۔ سو یہی وہ مارقین (بدکار خروج کرنے والے) ہوئے جو امیر المؤمنین علیؓ بن ابی طالب کے خلاف نکلے تھے، اور ان کے ہر ساتھی اور حمایتی کی تکفیر کرنے لگے تھے۔

نبی ﷺ کا حَسَنؓ کی ستائش فرمانا کہ ان کے ہاتھوں مومنوں کے دو متحارب ٹولوں میں صلح ہو گی

اس وقت مسلمان دو ٹولوں میں بٹ چکے تھے۔ ایک ٹولہ علیؓ کے ساتھ، ایک ٹولہ معاویہؓ کے ساتھ۔ چنانچہ یہ (مارقین/خوارج) علیؓ اور آپؓ کے ساتھیوں سے لڑنے لگے، اور عین وہی ہوا جس کی نبی ﷺ نے خبر دے رکھی تھی۔

پھر جیسا کہ نبی ﷺ سے صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے نواسے

حسنؓ کے متعلق فرمایا تھا: [إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ، وَسَيُصْلِحُ اللَّهُ بِهِ بَيْنَ طَائِفَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنْ الْمُسْلِمِينَ "میرا یہ بیٹا سردار ہے، اور عنقریب اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے مابین صلح کروائے گا"]۔ چنانچہ اللہ نے آپؓ (حسنؓ) کے ذریعے شیعانِ علیؓ اور شیعانِ معاویہؓ کے مابین صلح کروائی۔ یہ جو صلح حسنؓ کے ہاتھوں انجام پائی، نبی ﷺ نے اس کی ستائش فرمارکھی تھی اور اس پر آپؓ کو سردار بولا تھا؛ اس لیے کہ حسنؓ نے جو کیا، وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو پسند آنے اور انہیں راضی کرنے والی بات تھی۔ وہ آپس کی لڑائی جو مسلمانوں کے مابین ہو رہی تھی، اگر کوئی ایسی شے ہوتی جو اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم ہو، تو بات یوں نہ ہوتی، بلکہ اُس صورت میں حسنؓ نے ایک واجب شے چھوڑ دی ہوتی، یا اللہ کو ایک زیادہ پسند شے چھوڑ دی ہوتی۔ جبکہ صحیح صریح نص واضح کر رہی ہے کہ حسنؓ نے جو کیا وہ لائق ستائش ہے، اللہ اور اس کے رسولؐ کو پسند آنے والی چیز ہے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ حسنؓ کو اپنی ایک ران پر بٹھاتے، اور اسامہؓ بن زیدؓ کو دوسری پر، اور فرماتے: [اللَّهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُمَا، وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُمَا "اے اللہ یہ دونوں مجھے پیارے ہیں، اور ان کو پیار کرنے والے مجھے پیارے ہیں"]۔ جبکہ اس کے اندر بھی نبی ﷺ کی محبت اور دعاء کا ظہور ہوا، کیونکہ یہ دونوں اس معاملہ میں جس کے حوالہ سے آپ ﷺ نے حسنؓ کی ستائش فرمائی، سب سے زیادہ راغب تھے اور اس سے برعکس امر کو سب سے زیادہ ناپسند کرنے والے۔

اہل صفین کے مقتولین کا حکم نبیﷺ کے نزدیک خوارج مارقین والا نہ ہونا

اسی بات سے یہ بھی واضح ہوا کہ اہل صفین کے مقتولین نبی ﷺ کے یہاں مارقینِ

خوارج کی طرح نہ تھے، جن سے آپ ﷺ نے باقاعدہ قتال کا حکم دیا۔ جبکہ یہاں آپ ﷺ ان کے مابین صلح ہو جانے کو سراہ رہے ہیں، اور ان سے قتال کا حکم نہیں دے رہے۔ یہ وجہ ہے کہ صحابہؓ اور ائمۂ دین خوارج مارقین سے قتال پر متفق رہے۔ علیؓ کے یہاں خوارج سے قتال کرنے پر خوشی بھی پائی گئی۔ علیؓ نے ان سے قتال کرنے کا جو حکم نبی ﷺ سے روایت کیا، اس سے یہ ظاہر ہے۔ جبکہ صحابہؓ سے قتال کے متعلق نبی ﷺ سے کوئی اثر مروی نہیں۔ علیؓ نے اس میں کوئی خوشی بھی ظاہر نہیں فرمائی۔ بلکہ آپؓ کے یہاں اس سے بددلی ہی پائی گئی، اور آپؓ کی تمنا تھی کہ یہ نہ ہی ہوتا۔ بعض صحابہؓ کی قدر بھی کی۔ ہر دو فریق کو کفر اور نفاق سے بری ٹھہرایا۔ ہر دو طرف کے مقتولین پر دعائے رحمت کو روا رکھا۔ اور اسی طرح کے دیگر امور، جن سے علیؓ اور دیگر صحابہؓ کا اس سے متفق ہونا واضح ہوتا ہے کہ ہر دو گروہ مومن تھے۔

مومنوں میں آپس کی لڑائی ہو جانا انہیں ایمان سے خارج نہیں کرتا

پھر قرآن اس پر شاہد ہے کہ مومنوں کے مابین باہمی لڑائی ہو جانا ان کو ایمان سے خارج نہیں کرتا، بدلیل: [وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۖ فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الحجرات:9، 10) "مومنوں میں سے دو گروہ اگر آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی (بغی) کرے تو اس زیادتی (بغی) کرنے والے (گروہ) سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر وہ لوٹ آئے تو ان کے مابین

عدل کے ساتھ صلح کرواؤ۔ اور انصاف کرو؛ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مومن سب بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں کے مابین صلح کروایا کرو، اور اللہ سے ڈرو، تاکہ فلاح پاؤ"]۔ چنانچہ آپس کی لڑائی اور زیادتی (بغی) کے باوجود اللہ نے ان کو مومن کہا، اور ایک دوسرے کا بھائی ٹھہرایا۔

دو خلیفوں کے مابین لڑائی والی حدیث من گھڑت ہے

رہ گیا جس حدیث کا ذکر کیا گیا [إِذَا اقْتَتَلَ خَلِيفَتَانِ فَأَحَدُهُمَا مَلْعُونٌ] تو وہ جھوٹ من گھڑت ہے، اہل علم و حدیث میں سے کسی نے یہ روایت نہیں کی۔ نہ یہ اسلام کے معتمد حدیثی ذخیروں کے اندر کہیں موجود ہے۔

پھر معاویہؓ نے جس وقت علیؓ سے جنگ کی، تب وہ خلافت کے مدعی ہی نہیں ہوئے، اور نہ ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی۔ نہ ان کی لڑائی اس پر تھی کہ وہ خلیفہ ہیں، اور نہ اس پر کہ خلافت کے مستحق ہیں، وہ لوگ ان کی بابت یہ مانتے ہیں۔ پوچھنے والوں کے سامنے معاویہؓ یہ بات مانتے تھے۔ معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کے ہاں علیؓ سے جنگ شروع کرنے کی رائے بھی نہ تھی۔ بلکہ جس وقت علیؓ اور آپؓ کے ساتھیوں نے یہ رائے اختیار کی کہ اُن لوگوں پر علیؓ کی اطاعت اور بیعت میں آنا واجب ہے، کیونکہ مسلمانوں کا ایک ہی خلیفہ ہوتا ہے، اور یہ کہ وہ لوگ آپؓ کی اطاعت سے باہر اور اس میں آنے سے انکاری ہیں، جبکہ وہ اہلِ شوکت، تو آپؓ نے یہ رائے اختیار فرمائی کہ اُن سے قتال کریں یہاں تک کہ وہ یہ (اطاعت کا) فریضہ ادا کریں، اور اطاعت اور جماعت کی صورت بحال ہو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ یہ ان پر واجب نہیں ٹھہرتا، اور یہ کہ اس پر اگر ان کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے تو وہ مظلوم ہوں گے۔ ان کا کہنا تھا: کیونکہ عثمانؓ سب مسلمانوں کے اتفاق کی رو سے مظلومانہ قتل ہوئے ہیں اور ان کے

قاتل علیؓ کے لشکر میں، اور ان کو غلبہ اور شوکت بدستور حاصل، لہٰذا ہم اگر بیعت کر لیتے ہیں تو وہ ہم پر بھی ظلم اور تعدی کریں گے، جس سے ان کو روکنا علیؓ کے لیے ممکن نہ ہو گا، جس طرح عثمانؓ سے ان کو روکنا علیؓ کے لیے ممکن نہ ہوا تھا؛ بیعت ہمارے اوپر واجب اس خلیفہ کی ہو گی جو ہمارے ساتھ انصاف کر سکے اور ہمیں انصاف لے کر دے سکے۔

جاہلوں کا علیؓ و عثمانؓ ہر دو کے متعلق جھوٹے گمان پھیلانا

ادھر ہر دو جماعت میں ایسے جاہل موجود تھے جو علیؓ و عثمانؓ ہر دو کے متعلق جھوٹے گمان رکھتے تھے، اللہ علیؓ و عثمانؓ ہر دو کو ان سے بری رکھے۔ علیؓ کے متعلق یہ گمان رکھتے تھے کہ آپؓ ہی نے عثمانؓ کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، جبکہ علیؓ قسم کھاتے تھے، جبکہ علیؓ قسم کے سچے ہیں اور قسم کھائے بغیر سچے ہیں، کہ نہ آپؓ نے عثمانؓ کو قتل کروایا، نہ آپؓ عثمانؓ کے قتل پر راضی ہوئے، اور نہ آپؓ کے قتل میں آپؓ نے کسی قسم کی کوئی سازش کی۔ اور یہ بات علی کے متعلق معلوم اور ہر شک و شبہ سے بالا ہے۔ یہ بات بیک وقت علیؓ کے کچھ عقیدت مند بھی پھیلا رہے تھے اور علیؓ کے کچھ بغض مند بھی۔ عقیدت مند یہ بات پھیلا رہے تھے تاکہ وہ عثمانؓ پر طعن کر سکیں کہ وہ تو قتل ہی ہونے کے لائق تھے اور یہ کہ علیؓ جیسوں نے ہی تو ان کے قتل کا حکم دیا! جبکہ علیؓ سے بغض رکھنے والے یہ بات پھیلا رہے تھے تاکہ وہ علیؓ پر طعن کر سکیں، اور یہ کہ وہ اس مظلوم شہید خلیفہ کے قتل میں مددگار ہوئے جو صابر رہے اور اپنی جان کی خاطر مدافعت نہ کی، اور نہ اپنی جان بچانے کے لیے کسی مسلمان کا خون بہانے کے روادار ہوئے، تو اب ایسے شخص کی اطاعت کیسے کر لیں! غرض اسی طرح کے امور جو شیعانِ عثمانؓ اور شیعان علیؓ میں سے بہک جانے والے طبقے پیدا کیے جا رہے تھے۔

سبھی اقراری ہیں کہ معاویہؓ علیؓ کے ہم پلہ نہیں

اس کے باوجود ہر دو فریق کے حمایتی اس بات کے اقراری ہی تھے کہ معاویہؓ علیؓ کے ہم پلہ بہر حال نہیں ہیں، اور یہ کہ اگر علیؓ خلیفہ ہو سکیں تو معاویہؓ کا خلیفہ ہونا نہیں بنتا؛ اس لیے کہ علیؓ کی افضلیت اور سابقیت، آپؓ کا علم، دینداری، شجاعت اور آپؓ کے دیگر سب فضائل ان کے یہاں اسی طرح ظاہر اور معروف تھے جس طرح علیؓ کے بھائیوں ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ و دیگر کے فضائل۔ رضی اللہ عنہم۔ (عمرؓ کی بنائی ہوئی) شوریٰ میں سے آپؓ اور سعدؓ کے علاوہ اب کوئی بقیدِ حیات بھی نہ رہ گیا تھا۔ سعدؓ اس امر سے اُسی وقت دستبردار ہو گئے تھے جس کے بعد مسئلہ صرف عثمانؓ اور علیؓ کے بیچ رہ گیا تھا۔ اب جب عثمانؓ دنیا سے جا چکے، تو اس عہدہ کے لیے کوئی معیّن شخص سوائے علی رضی اللہ عنہ کے رہ ہی نہ گیا تھا۔ شر صرف اس وجہ سے پیدا ہو گیا تھا کہ عثمانؓ قتل ہوئے تھے، جس سے ظلم وعدوان میں ملوث طبقے قوت میں آ گئے تھے اور علم اور ایمان والے طبقے ضعیفی اور بے بسی میں، یہاں تک کہ وہ تفرقہ اور اختلاف پیدا ہوا کہ ایسے لوگوں کی چلنے لگی جن سے بہت بہتر اور اطاعت کے مستحق لوگ ابھی موجود تھے۔ یہ وجہ ہے کہ اللہ نے جماعت اور شیرازہ بندی کا حکم فرما رکھا ہے اور تفرقہ اور اختلاف سے ممانعت۔ کہا گیا: جو بات جماعت میں لوگوں کو ناپسند ہے وہ اس سے بہتر ہے جو ان کو تفرقہ میں میسر آتی ہے۔

"إِنَّ عَمَّارًا تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ " والی حدیث کے اطلاقات

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے [إِنَّ عَمَّارًا تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ "بے شک عمار کو باغی جماعت قتل کرے گی"] تو اگرچہ اہل علم کے ایک گروہ نے اس میں طعن کیا ہے،

لیکن مسلمؒ نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور بخاریؒ کے بعض نسخوں میں یہ پائی گئی ہے۔ان میں سے بعض نے اس کی تاویل یوں کی ہے کہ "باغية" (کا معنٰی "طلب کرنے" یا "چاہنے" سے کرتے ہوئے)[69] خونِ عثمانؓ کا "مطالبہ کرنے والا گروہ" ہے۔ جیسا کہ وہ کہتے تھے کہ [نَبْغِي ابْنَ عفان بِأَطْرَافِ الأسل خونِ عثمانؓ کا مطالبہ ہم نیزوں کی انیوں کے ذریعے کرتے ہیں]۔ لیکن یہ ایک بے بنیاد بات ہے۔ بلکہ بات ویسی ہی کی جائے گی جیسی رسول اللہ ﷺ نے فرمائی، اور آپ ﷺ نے جیسے فرمایا وہی حق ہے۔ عمارؓ کو ایک فئة باغية کا قتل کرنا اس وضاحت کے منافی نہیں جو پیچھے ہم کر آئے۔ کیونکہ آیت میں آیا ہے:[وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۖ فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الحجرات:9،10) "مومنوں میں سے دو گروہ اگر آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی (بغی)[70] کرے تو اس زیادتی (بغی) کرنے والے (گروہ) سے لڑو یہاں

---

[69] بغى يبغي کا ایک مطلب لغت میں: مانگنا/چاہنا۔ جیسے اس آیت میں: [خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا "وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، وہاں سے نقل مکانی کرنا نہ مانگیں گے"]۔ یا جیسے اس آیت میں: [قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي "وہ بولے: اباجان! (اور) ہم کیا چاہیں؟"]۔ لیکن جیسا کہ شیخ الاسلام کے متن سے واضح ہے، وہ عمارؓ والی حدیث میں "باغية" کا یہ مطلب لینے کو مسترد کرتے ہیں۔

[70] لفظ "باغی" یا "باغية" کا اردو استعمال بھی یہاں تھوڑا مسئلہ پیدا کر رہا ہے۔ بے شک عربی میں اس کا وہ اردو والا معنٰی بھی ہے، یعنی ایک چلی آتی حکومت کو گرانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا فرد یا گروہ۔ لیکن

تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر وہ لوٹ آئے تو ان کے مابین عدل کے ساتھ صلح کرواؤ۔ اور انصاف کرو؛ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مومن سب بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں کے مابین صلح کروایا کرو، اور اللہ سے ڈرو، تاکہ فلاح پاؤ"]۔ چنانچہ آپس کی لڑائی اور زیادتی (بغی) کے باوجود اللہ نے ان کو مومن بھائی بھائی کہا۔ بلکہ "فئة باغيه" (زیادتی پر آمادہ گروہ) سے لڑنے کا حکم دینے کے باوجود انہیں مومن ہی قرار دیا ہے۔ عام لوگ ہوں تو بھی ہر بغی (زیادتی)، ہر ظلم اور ہر عدوان سے آدمی ایمان کے عموم سے خارج نہیں ہو جاتا، اور نہ اس سے اس پر لعنت واجب ہو جاتی ہے، تو پھر وہ ہستیاں اس عموم سے کیسے خارج ہو سکتی ہیں جو خیر القرون سے ہیں!؟

عربی استعمال اس سے تھوڑا اعم بھی ہے۔ بغی کا مطلب: زیادتی کرنا۔ دوسرے پر تجاوز کر جانا۔ جس کی ایک صورت وہ بھی ہے جو "باغی" کے لفظ سے ہم اہل اردو مراد لیتے ہیں۔ لیکن دوسرے پر زیادتی کی اگر کوئی اور صورت بھی ہو، عربی میں اس کو "باغی" کہہ دیا جائے گا خواہ وہ "حکومت گرانے" یا "حکومت کے خلاف لڑنے" کا عمل نہ بھی ہو، جبکہ اردو میں ایسا نہیں۔ چنانچہ الحجرات کی آیت جب اتری تب فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ اور الَّتِي تَبْغِي خاص کسی حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھانے والوں پر نہیں بولے گئے تھے۔ بلکہ دو مسلمان گروہوں میں سے جو دوسرے پر زیادتی/ناحق چڑھائی کر رہا ہو، اس پر بولے گئے۔ قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر [بَغْيًا بَيْنَهُمْ] کا جو لفظ آیا وہ کوئی خاص "حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے" کے معنی میں نہیں آیا؛ بلکہ آپس کی ضد اور زیادتی کا معنیٰ دیتا ہے۔ معاملہ کی سنگینی کو اس کی جگہ رکھنے کے لیے یہ بات بھی، ہے ضروری۔

اسی سیاق میں، آگے چل کر مؤلف کا یہ جملہ: [مومنوں کی اکثریت، بلکہ انسانوں کی اکثریت، ظلم اور بغی سے مبرا نہیں ہے]۔

"باغی" دو قسم پر ہے: متأوِّل اور غیر متأوِّل

ہر وہ شخص جو باغی ہوا، یا ظالم ہوا، یا معتدی ہوا، یا کسی ایسی شے ء کا مرتکب ہوا جو گناہ بنتی ہو، وہ دو قسم پر ہو گا: متأول اور غیر متأول (تاویل کرنے والا، اور بغیر تاویل وہ کام کرنے والا)۔ جہاں تک تعلق ہے ایک متأول مجتہد (تاویل اور اجتہاد کی راہ سے اس فعل کا ارتکاب کر لینے والے) کا، جیسا کہ علم اور دین کے حامل (بعض لوگوں) کا معاملہ ہو سکتا ہے، جنہوں نے کوئی اجتہاد کیا ہوتا ہے، اور اس کی رُو سے بعض امور کو جائز سمجھ بیٹھے ہوتے ہیں، یا کوئی دوسرا بعض امور کو حرام سمجھ بیٹھتا ہے، جیسے مثلاً بعض اہل علم نے کچھ مشروبات کو حلال قرار دے لیا ہے، بعض نے سود کی بعض صورتوں کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، بعض نے حلالہ اور متعہ کے بعض امور کے جائز ہونے کا قول چھوڑا ہے، وغیرہ وغیرہ، تو ایسے امور سلف کے اعلیٰ ترین لوگوں سے سرزد ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایسے متأول مجتہد حضرات کے متعلق زیادہ سے زیادہ جو کہا جائے گا وہ یہ کہ: یہ مخطئ ہیں، جبکہ فرمانِ خداوندی ہے: [رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا "پروردگار! ہمارا مؤاخذہ نہ فرمانا اگر ہم سے بھول ہو جائے یا خطا ہو جائے"]۔ جبکہ صحیح روایت میں ثابت ہے کہ اللہ نے یہ دعاء قبول فرمالی۔ نیز داود اور سلیمان کے متعلق بتاتے ہوئے کہ انہوں نے کھیتی کے ایک مقدمہ کا فیصلہ کیا، دونوں میں سے ایک کے فہم کو خصوصی طور پر سراہا، جبکہ ہر دو کی تعریف علم اور حکمت کی بنیاد پر فرمائی۔ اب علماء انبیاء کے وارث ٹھہرے؛ سو جس وقت ان میں سے کسی نے ایک مسئلہ سے وہ بات سمجھی جو دوسرا نہ سمجھ پایا، تو یہ بات دوسرے کے لیے باعثِ ملامت نہ ہو گی اور علم و دین میں اس کی جو ایک معلوم حیثیت ہے، یہ اس کے منافی نہ ہو گا۔ ہاں اگر اس نے مسئلے کا حکم جانتے ہوئے ایسا کیا تو وہ گناہ اور ظلم ہو گا، اور اس پر اصرار فسق۔

بلکہ جس وقت وہ اس کے حرام ہونے کا یقینی علم رکھتا ہو، تو اس کو حلال کرنا کفر ہو گا۔ تو "بغی" اصل میں اس باب سے ہے۔

رہ گیا یہ کہ باغی جس وقت مجتہد اور متاوِّل ہو، اور اس پر واضح نہ ہوا ہو کہ وہ باغی ہے، بلکہ وہ یہ سمجھتا ہو کہ وہ حق پر ہے، اگرچہ اس کا ایسا سمجھنا خطا کیوں نہ ہو، تو اسے "باغی" کا نام دینا اس کے گناہگار ہونے کا موجب نہ ہو گا، کجا یہ کہ وہ اسے فاسق ٹھہرانے کا موجب ہو۔ وہ اہل علم جو متاوِّل باغیوں (تاویل کی بنیاد پر بغی کر بیٹھنے والوں) کے خلاف قتال کے قائل ہیں، وہ ان کے خلاف قتال کو ضروری ٹھہرانے کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارا ان سے یہ قتال کرنا صرف ان کے بغی کے ضرر کو دفع کرنے کی خاطر ہے، نہ کہ ان کو سزا دینے کے لیے، بلکہ صرف ایک عدوان سے ان کو روک دینے کے لیے۔ یہ اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ ان (اہلِ بغی) کی عدالت بدستور قائم ہے، فاسق ان کو نہیں کہا جائے گا۔ یہ کہتے ہیں کہ ان کا معاملہ غیر مکلف کی طرح کا ہے، جیسے ایک بچے، یا ایک مجنون، یا ایک بھولے ہوئے، یا ایک بے ہوش، یا ایک سوئے ہوئے شخص کو کسی کو نقصان پہنچانے سے روکا ہی جائے گا، کہ عدوان ایسی کوئی حرکت ان سے بہر حال صادر نہ ہو۔ یہاں تک کہ جانوروں کو کسی کو نقصان پہنچانے سے روکا جائے گا۔ (ایک اور مثال لو:) کوئی شخص ایک مومن کو غلطی سے قتل کر بیٹھتا ہے تو اس قتلِ خطا پر دیت تو اس پر بہر حال پڑے گی۔ نصِ قرآن، باوجود اس کے کہ گناہگار وہ اس قتلِ خطا پر نہیں بنے گا۔ اسی طرح اس شخص کا معاملہ جو مرتکبِ حد ہے اور اس کو گرفتار کر کے امام کے پاس لے آیا گیا ہے، قابو آنے کے بعد یہ اللہ سے سچی توبہ کر لیتا ہے، لیکن امام کو اس پر شرعی حد بہر حال لگانا ہے، اب گناہ سے تائب (اللہ کے ہاں) ویسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ (مطلب حد اس پر بے شک

لگے گی باوجود اس کے کہ گناہگار اب وہ نہیں ہے)۔ باغی متاوِّل (تاویل کی بنیاد پر بغی کرنے والے) کو مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ کے نزدیک کوڑے لگیں گے؛ اس پر متعدد نظائر موجود ہیں۔ پھر اگر یہ فرض کیا جائے کہ "بغی" بغیر کسی تاویل کے ہوئی تھی، تو وہ ذنب (گناہ) بنے گا۔ گناہوں کی عقوبت زائل ہو جاتی ہے متعدد اسباب سے، مانند گناہوں پر بھاری پڑنے والی نیکیاں، کفارہ بننے والے مصائب، وغیرہ۔

عمارؓ والی حدیث کو پورے لشکرِ معاویہؓ پر لاگو کرنا؟

پھر [إِنَّ عَمَّارًا تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ "عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا"] اس بات پر نص نہیں ہے کہ یہ لفظ معاویہؓ اور آپؓ کے (سب) ساتھیوں کے لیے ہی ہے۔ بلکہ امکان یہ ہے (ضرور) کہ اس سے مراد وہ مخصوص ٹولہ ہو جس نے عمارؓ پر ہلہ بولا یہاں تک کہ آپؓ کو قتل کر آیا اور یہ جیش کا ایک حصہ ہو۔ اور ہر وہ شخص جو عمارؓ کے قتل پر راضی ہوا اس کا وہی حکم ہو گا جو اُس ٹولے کا۔ یہ ایک معلوم بات ہے کہ جیش میں ایسے لوگ تھے جو عمارؓ کے قتل پر راضی نہ تھے، مانند عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص، و دیگر۔ بلکہ سب لوگ ہی عمارؓ کے قتل کو برا جاننے والے تھے، یہاں تک کہ معاویہؓ اور عمروؓ بھی۔ روایت یہ کی جاتی ہے کہ معاویہؓ نے یہاں تاویل کی کہ اس کو قتل کرنے والا وہی ہے جو اس کو لے کر آیا، نہ کہ اس کے خلاف لڑنے والے، اور یہ کہ علیؓ نے اس پر جواب دیا کہ اچھا تو پھر حمزہؓ کو (اُحد میں) قتل کرنے والے ہم ہوئے! کوئی شک نہیں کہ علیؓ نے جو فرمایا وہی درست ہے۔ لیکن جس شخص کی نظر سے مناظرہ کرنے والے علماء کی باتیں گزری ہوئی ہیں، باوجود اس کے کہ ان کے مابین نہ تو کوئی قتال ہوتا ہے اور نہ بادشاہت ایسا کوئی معاملہ، (انہوں نے دیکھ رکھا ہو گا) کہ ان کے یہاں معاویہؓ کی اس تاویل سے بھی کہیں بودی تاویلات نصوص

کی توجیہ میں پائی جاتی ہیں۔ اب جس نے یہ تاویل کی ہے اس کے خیال میں اس نے عمارؓ کو قتل نہیں کیا، بنابریں وہ یہ نہیں سمجھتا کہ وہ باغی ہے۔ جو شخص یہ نہیں سمجھتا کہ وہ باغی ہے، جبکہ فی الحقیقت وہ باغی ہے، تو وہ متاوِّل مخطئ ہوا۔

عمارؓ کا ساتھ دینے کے موضوع پر فقہائے صحابہؓ کے مواقف

فقہاء میں کوئی ایسا نہیں جس کی رائے ہو کہ عمارؓ کو قتل کرنے والوں کی صف میں ہو کر قتال کرنا درست تھا۔ تاہم ان کے دو مشہور قول ہیں، جیسا کہ ان ہر دو قول پر اکابر صحابہؓ پائے گئے۔ ان میں سے کسی کی رائے یہ کہ عمارؓ اور ان کے گروہ کا ساتھی ہو کر لڑا جائے۔ اور کسی کی رائے یہ کہ قتال سے مطلق رکا جائے۔ ہر دو جانب سابقین اولین کی بڑی بڑی ہستیاں ہیں۔ پہلے قول میں: عمارؓ، سہلؓ بن حنیف اور ابوایوبؓ ایسے نام ہیں۔ دوسرے میں: سعدؓ بن ابی وقاص، محمدؓ بن مسلمہ، اسامہؓ بن زیدؓ، اور عبداللہؓ بن عمرؓ، وغیرھم۔ شاید اکابرِ صحابہؓ کی اکثریت اس رائے پر تھی۔ دونوں فوجوں میں علیؓ کو چھوڑ کر کوئی شخص سعدؓ بن ابی وقاص سے زیادہ فضیلت والا نہیں تھا، اور یہ اس جنگ سے کنارہ کش رہنے والوں میں تھے۔

اس عمارؓ والی حدیث سے وہ حضرات حجت پکڑ سکتے ہیں جو اس قتال کے قائل ہیں؛ کیونکہ اگر عمارؓ کے قاتل باغی ہیں تو اللہ فرماتا ہے: [فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي "تو بغی کرنے والے گروہ سے لڑو"۔ جبکہ دستکش رہنے والے ان صحیح احادیث سے حجت پکڑتے ہیں جن کا لب لباب یہ ہے کہ "فتنہ میں لڑنے کی نسبت اس سے بیٹھ رہنا بہتر ہے"۔ ان کا کہنا ہے یہ اور اس قسم کی کوئی بھی لڑائی فتنہ کی لڑائی ہے، جس پر بہت سی صحیح احادیث موجود ہیں، اور یہ کہ نبی ﷺ نے ایسی حالت میں لڑنے کا حکم نہیں دیا، نہ اس کو پسند فرمایا ہے، اس کی بجائے صلح کو پسند فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے باغی سے قتال کا صرف حکم دیا ہے، اس سے ابتداءً

قتال کا حکم نہیں ہے، بلکہ فرمایا:[وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۖ فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الحجرات:9،10) "مومنوں میں سے دو گروہ اگر آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی (بغی) کرے تو اس زیادتی (بغی) کرنے والے (گروہ) سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر وہ لوٹ آئے تو ان کے مابین عدل کے ساتھ صلح کرواؤ۔ اور انصاف کرو؛ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مومن سب بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں کے مابین صلح کروایا کرو، اور اللہ سے ڈرو، تاکہ فلاح پاؤ"]۔ان کا کہنا ہے: پہلے والے قتال کا اللہ نے حکم نہیں دیا، نہ ہر اس شخص کو جس کے خلاف بغی (زیادتی) ہوئی ہو حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھ زیادتی کرنے والے سے قتال کرے؛ ہر بغی کے مرتکب کو قتل کرنا کفر تک ہو سکتا ہے، بلکہ مومنوں کی اکثریت، بلکہ انسانوں کی اکثریت، ظلم اور بغی سے مبرا نہیں ہے۔ آیت میں بات صرف اتنی ہوئی ہے کہ مومنوں میں کے دو گروہ اگر لڑ پڑیں تو واجب یہ ہے کہ ان کے مابین صلح کروائی جائے، گو ان دونوں میں سے کسی ایک کو قتال کا حکم نہیں۔ پھر اگر ان میں سے کوئی ایک بغی (زیادتی) پر ہی مصر ہو تو اس سے قتال کیا جائے گا، اس لیے کہ وہ قتال سے رک ہی نہیں رہا، اور اس نے صلح کا (مثبت) جواب ہی نہیں دیا ہے۔ لہٰذا اس کے شر کو روکنے کے لیے قتال کے سوا چارہ نہیں، پس اس سے لڑنے کی وہی حیثیت ہوئی جو کسی ایسی حملہ آور چیز سے لڑنے کی جس کے ظلم و زیادتی کو قتال کے سوا کسی چیز سے دفع کرنا ممکن

نہیں رہا، جیسا کہ نبی ﷺ کی اس حدیث میں ہے: [مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دَمِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دِينِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُونَ حُرْمَتِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ" جو شخص اپنے مال کا تحفظ کرتے مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو اپنی جان کا تحفظ کرتے مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو اپنے دین کا تحفظ کرتے مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو اپنی حرمت و آبرو کا تحفظ کرتے مارا جائے وہ شہید ہے"]۔ ان کا کہنا ہے: اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ پورا لشکر باغیوں کا ہے، تو بھی ہمیں ان سے ابتداءً لڑنے کا حکم نہیں۔ بلکہ ہمیں ہے حکم کہ ان کے مابین صلح کروائیں۔ مزید برآں ان سے قتال اس وقت روا نہ ہو گا جس وقت ان کے ساتھی قتال سے دستکش رہنے پر آمادہ ہوں؛ کیونکہ ان میں اس پر آپس میں بہت اختلاف تھا اور یہ رائے ماننے میں ان کے ہاں بہت پس و پیش رہی تھی۔

مقصد یہ کہ یہ حدیث صحابہؓ میں سے کسی پر لعنت کو جائز کرتی ہے اور نہ کسی کے فاسق ہونے کو لازم ٹھہراتی ہے۔

اہل بیت کبھی لونڈی غلام نہیں بنائے گئے

جہاں تک اہل بیت کا تعلق ہے تو ان کو کبھی لونڈی غلام نہیں بنایا گیا، وللہ الحمد۔ حجاج نے بنی ہاشم میں سے کسی کو قتل نہیں کیا۔[71] ہاں عرب کی بعض معزز ہستیوں کو قتل کیا۔ اس

---

[71] ابن تیمیہؒ کا یہ جواب تاریخ سے متعلق ایک تصحیح کے ضمن میں ہوا۔ یہاں چونکہ ایک بد طینت طبقہ ابن تیمیہؒ کا کچھ "مائل بہ ناصبیت" تاثر بناتا ہے، اس لیے واضح کر دیں: ابن تیمیہؒ نہ صرف یہ کہ حجاج بن یوسف کے دفاع کنندگان میں نہیں آتے، بلکہ حجاج کا ذکر تاریخ اسلام میں ظلم اور فجور کی جانی مانی مثال

کے طور پر کرنے والوں میں آتے ہیں۔ مثال کے طور مجموع الفتاویٰ سے یہ دو مقامات:

- علمِ استفاضہ (عام اور معلوم ہو چکی ایک گواہی سے حاصل ہونے والے علم) کو حجت قرار دینے کے مقام پر، اس کی مثالیں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: [وَمَا أَعْلَمُ فِي هَذَا نِزَاعًا بَيْنَ النَّاسِ فَإِنَّ الْمُسْلِمِينَ كُلَّهُمْ يَشْهَدُونَ فِي وَقْتِنَا فِي مِثْلِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَالْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ وَأَمْثَالِهِمَا مِنْ أَهْلِ الْعَدْلِ وَالدِّينِ بِمَا لَمْ يَعْلَمُوهُ إلَّا بِالِاسْتِفَاضَةِ. وَيَشْهَدُونَ فِي مِثْلِ الْحَجَّاجِ بْنِ يُوسُفَ وَالْمُخْتَارِ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ وَعَمْرِو بْنِ عُبَيْدٍ وَغَيْلَانَ الْقَدَرِيِّ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَبَإٍ الرافضي وَنَحْوِهِمْ مِنْ الظُّلْمِ وَالْبِدْعَةِ بِمَا لَا يَعْلَمُونَهُ إلَّا بِالِاسْتِفَاضَةِ ۔"اس میں، میں کوئی اختلاف نہیں پاتا کہ لوگوں نے کیا ہو۔ چنانچہ آج سب مسلمان عمر بن عبد العزیزؒ اور حسن بصریؒ ایسوں کے عادل یا دین دار ہونے کی جو شہادت دیتے ہیں وہ استفاضہ ہی سے ملنے والے علم کی بنا پر۔ اور حجاج بن یوسف، مختار بن ابی عبید، عمرو بن عبید، غیلان قدری، عبد اللہ بن سبا رافضی ایسوں کے ظالم یا بدعتی ہونے کی جو شہادت دیتے ہیں تو وہ استفاضہ ہی سے ملنے والے علم کی بنا پر۔ ((مجموع الفتاویٰ ج35 ص413)]۔
- فاجر یا بدعتی کے پیچھے نماز جائز ہونے کے مبحث میں لکھتے ہیں: [وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ يُصَلِّيهَا وَلَا يُعِيدُهَا فَإِنَّ الصَّحَابَةَ كَانُوا يُصَلُّونَ الْجُمُعَةَ وَالْجَمَاعَةَ خَلْفَ الْأَئِمَّةِ الْفُجَّارِ وَلَا يُعِيدُونَ كَمَا كَانَ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّي خَلْفَ الْحَجَّاجِ وَابْنُ مَسْعُودٍ وَغَيْرُهُ يُصَلُّونَ خَلْفَ الْوَلِيدِ بْنِ عُقْبَةَ" صحیح یہ ہے کہ پڑھ لے اور دہرائے نہیں۔ کیونکہ صحابہؓ فاجر (بدکار) اماموں کے پیچھے جمعہ جماعت پڑھتے اور نہ دہراتے، جیسے ابن عمرؓ حجاج کے پیچھے نماز پڑھتے رہے، اور ابن مسعودؓ اور دیگر بزرگ ولید بن عقبہ کے پیچھے نماز پڑھتے رہے"۔ (مجموع الفتاویٰ ج23 ص353)]۔

نے عبداللہ بن جعفرؓ کی بیٹی سے شادی کی تھی، جس پر نہ بنی عبد مناف راضی ہوئے، نہ بنی ہاشم اور نہ بنی امیہ، یہاں تک کہ اس کے اور خاتون کے مابین علیحدگی کروادی گئی کیونکہ ان کے نزدیک وہ اس کا ہم مرتبہ نہ تھا۔ واللہ اعلم

حصۂ چہارم

تعامل

[ایک دگرگوں سے دگرگوں صورتحال میں بھی "اجتماع" کے آسمانی مقاصد فقہ کی جوت جگا لینا... "مثالیات" کی ضد میں "امکانات" سے ہاتھ نہ دھو بیٹھنا، انسان کو اس کی کمزوریوں کے ساتھ قبول کرنا اور 'دی گئی استعداد' کے اندر تو خیر کا پانسہ شر پر بھاری کروانے سے بہر حال دستبردار نہ ہونا... بعثتِ رسل اور نزولِ شرائع کی غایت "اقامتِ حق اور اِسقاطِ باطل" میں محصور نہ رکھتے ہوئے بجا طور پر "تکمیلِ حق اور تقلیلِ باطل" تک رکھنا؛ اور اس (مؤخر الذکر) دائرہ میں پیشقدمی کی راہ سے اول الذکر کو بھی قریب کر لینا... عمل میں نرمی اور لچک flexibility کو مبادی fundamentals کی اصالت originality اور صلابت solidity پر کبھی اثرانداز نہ ہونے دینا اور "اعمال" کو "ملت" کے مضامین پر کبھی حاوی نہ ہونے دینا، جو کہ مدرسۂ سلف کا "انقلابی" مدرسہ سے اصل امتیاز ہے... جزئیات کو ہمیشہ کلیات سے برآمد کروانا اور نصوص سے کٹا پھٹا استدلال نہ کرنا؛ پھر "کلیات" کی تقریر میں پہلوں کی راہ دیکھنا؛ اور "ایجادات" کو بدعت جاننا... یہ اس "تعامل" کے چند نمایاں اوصاف ہیں جو 'تیس سال' بعد سے لے کر صدیوں ائمہ کے ہاں روبہ عمل آیا ہے۔]

مترجم

اہلِ دین کے مابین لڑائیاں اور فتنے

شیخ الاسلام سے دریافت کیا گیا:

ایسے فتنوں کے متعلق جو کچھ نیک طبقوں کی جانب سے ان کے آپس میں رونما ہوتے ہیں، اس حد تک کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے اور ایک دوسرے کی حرمت پامال کرنے تک نوبت آتی ہے۔ ان کے متعلق اللہ کا کیا حکم ہے؟

اہل دین کا آپس میں لڑنا: عظیم گناہوں میں سے

اس کے جواب میں فرمایا:

الحمد للہ۔ یہ اور اس قسم کے فتنے عظیم محرمات اور بڑے منکرات میں سے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے:

[يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِعَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ

عَذَابٌ عَظِيمٌ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور ہر گز تمہیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ مسلم ہو۔ اور مل کر چمٹ رہو اللہ کی رسی سے، اور ٹولے مت بنو، اور یاد کرو اللہ کی نعمت جب تم تھے ایک دوسرے کے بیری، تو اللہ نے تمہارے دل ملا دیے، تب تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے، جبکہ حال یہ تھا کہ تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، تو اللہ تمہیں اس سے بچا لایا۔ اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے اپنی آیات کہ تم ہدایت پاؤ۔ لازم ہے کہ تم میں ایک جماعت ہو جو خیر کی طرف بلائیں اور معروف کا حکم دیں اور منکر سے روکیں، اور ایسے ہی لوگ ہیں کامیاب۔ اور مت ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جو ٹولے بنے اور اختلاف میں پڑے، بعد اس کے کہ ان کے پاس بینات آچکی تھیں، اور ایسوں کے لیے ہے ایک بڑا عذاب۔ جس دن کچھ چہرے شاداب ہوں گے اور کچھ روسیاہ۔ وہ جو روسیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کی روش اختیار کی، تو چکھو عذاب اس کفر کے بدلے جو تم نے کیا"]۔

اب یہ لوگ "جو ٹولے بنے اور اختلاف میں پڑے" یہاں تک کہ کفر (سے منسوب) بہت سے رویے ان سے سرزد ہوئے، جبکہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا: [لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ "میرے بعد کافر مت ہو رہنا، جو ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھریں"]۔ پس یہ فعل کفر میں سے ہے، اگرچہ ایک مسلمان گناہ کرنے سے کافر ہو نہیں جاتا، جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہے: [وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۖ فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي

حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الحجرات:9،10) "مومنوں میں سے دو گروہ اگر آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی (بغی) کرے تو اس زیادتی (بغی) کرنے والے (گروہ) سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر وہ لوٹ آئے تو ان کے مابین عدل کے ساتھ صلح کرواؤ۔ اور انصاف کرو؛ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مومن سب بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں کے مابین صلح کروایا کرو، اور اللہ سے ڈرو، تاکہ فلاح پاؤ"]۔

یہ ہے اللہ کا حکم مومنوں میں سے آپس کی لڑائیاں کرنے والوں کے متعلق۔ فرمایا: وہ بھائی بھائی ہیں۔ اور حکم دیا کہ اگر وہ باہم لڑ پڑیں تو پہلے ان کے مابین صلح صفائی ہی کرواؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک ٹولہ دوسرے پر بغی (زیادتی) پر ہی مائل ہو، اور صلح قبول ہی نہ کرے[فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا "تو لڑو اس گروہ سے جو بغی (زیادتی) پر آمادہ ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر وہ لوٹ آئے تو دونوں کے مابین عدل کے ساتھ صلح کرواؤ"]۔ چنانچہ حکم دیا کہ جب وہ اللہ کے فیصلے کی طرف لوٹ آئے تو ان کے مابین عدل کے ساتھ صلح کرواؤ۔ جو اللہ کے فیصلے کی طرف لوٹ آئے، واجب ہے کہ اس کے اور اس کے مدمقابل کے مابین عدل کیا جائے، اور انصاف کروایا جائے۔ پس قبل اس کے کہ ہم بغی کے مرتکب گروہ سے لڑیں، اور بعد اس کے کہ دونوں کے آپس میں لڑائی ہو چکی ہو، ہمیں حکم دیا کہ ہم بہر حال ان کے مابین صلح ہی کروائیں، کیونکہ ان میں سے کوئی ایک گروہ لڑائی

سے مغلوب نہیں ہوا ہے۔

اہل دین میں صلح صفائی کروانا: اہم ترین فرائض میں سے

جب ایسا ہے تو واجب یہ ہو گا کہ ایسے دونوں گروہوں کے مابین ہم صلح کی کوشش کریں؛ کہ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم ہے۔ اِس گروہ سے پوچھا جائے گا کہ تمہیں اُس سے کیا شکایت ہے؟ اور اُس سے پوچھا جائے گا کہ تمہیں اِس سے کیا شکایت ہے؟ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ان میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی تھی، مثلاً کسی کی جان لی تھی، یا مال کا نقصان کیا تھا، تو اس پر دوسرے کا وہ نقصان پورا کرنا واجب ہو گا۔ اور اگر انہوں نے اُن کا نقصان کیا اور اُنہوں نے اِن کا، تو دونوں کا باہمی قصاص (ادلہ بدلہ) کروایا جائے گا، جیسا کہ قرآن میں آیا: [كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى "مقتولین کے متعلق تم پر قصاص فرض کیا جاتا ہے؛ آزاد کا بدلہ آزاد سے، اور غلام کا بدلہ غلام سے، اور عورت کا بدلہ عورت سے"]۔ سلف کی ایک جماعت نے ذکر کیا، کہ یہ آیت دو ایسے گروہوں سے متعلق اتری جو آپس میں لڑے، تب اللہ نے ان کے مابین قصاص کا حکم دیا۔ فرمایا: [فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ "پھر جسے اس کے بھائی کی طرف سے (کچھ) معافی مل جائے"]۔ معافی دراصل دوسرے پر فضل ہے۔ چنانچہ دونوں میں سے اگر ایک دوسرے پر کسی چیز میں فضل کر دے تو [فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ "تو تقاضا کرنا دستور کے مطابق"]۔ اور اگر یہ صورت نہ بن سکے کہ وہ ایک دوسرے کا نقصان پورا کریں، تو یہ جائز ہے کہ مسلمانوں کے مابین صلح صفائی کی نیت سے (بچولیا) خود ہی اس (نقصان) کا ذمہ اٹھالے، اور وہ مجاز ہو گا کہ بعد ازاں وہ یہ مال مسلمانوں کی زکات سے لے لے، نیز لوگوں سے اپنی مالی اعانت کی اپیل کرلے، اگرچہ وہ خود دولتمند

کیوں نہ ہو۔ نبی ﷺ کی حدیث ہے، جس میں آپ ﷺ ایک صحابی قبیصہؓ بن مخارق ہلالی سے فرماتے ہیں: [يَا قَبِيصَةُ إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِثَلَاثَةٍ: رَجُلٌ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اجْتَاحَتْ مَالَهُ فَيَسْأَلُ حَتَّى يَجِدَ سَدَادًا مِنْ عَيْشٍ، ثُمَّ يُمْسِكُ. وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ؛ فَإِنَّهُ يَقُومُ ثَلَاثَةٌ مِنْ ذَوِي الحجى مِنْ قَوْمِهِ؛ فَيَقُولُونَ: قَدْ أَصَابَ فُلَانًا فَاقَةٌ، فَيَسْأَلُ حَتَّى يَجِدَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ وَسَدَادًا مِنْ عَيْشٍ؛ ثُمَّ يُمْسِكُ. وَرَجُلٌ يَحْمِلُ حَمَالَةً فَيَسْأَلُ حَتَّى يَجِدَ حَمَالَتَهُ، ثُمَّ يُمْسِكُ "اے قُبَیصہ! سوائے تین لوگوں کے، کسی کے لیے مانگنا جائز نہیں: ایک آدمی جس پر کوئی ایسی آفت آئی جو اس کے مال کا صفایا کر گئی، تا آنکہ اس کا گزارہ ہونے لگے۔ اس کے بعد وہ (مانگنے) سے رک جائے۔ دوسرا وہ آدمی جس کو فاقہ درپیش ہے، تب اس کی قوم سے تین عقلمند اٹھ کر کہیں گے کہ فلاں آدمی کو فاقہ درپیش ہے۔ تب یہ مانگ لے تا آنکہ اس کی گزر اوقات ہونے لگے اور گزارے کی صورت پیدا ہو جائے۔ اس کے بعد وہ رک جائے۔ تیسرا وہ آدمی جس نے کسی کا مالی بوجھ اپنے سر لے لیا تھا۔ یہ مانگ لے یہاں تک کہ وہ بوجھ اتارنا اس کو میسر آ جائے، پھر یہ رک جائے"]۔ ہر قدرت مند مسلمان پر واجب ہے کہ ان کے مابین صلح صفائی کی کوشش کرے اور مقدور بھر ان کو اللہ کے فیصلے پر آنے کی تاکید کرے۔

مظلوم کو صبر کرنے پر اجر؛ ظالم کو سخت وعیدیں

خود ان دونوں گروہوں میں سے جس کا خیال ہو کہ دوسرے کی جانب سے اس پر ظلم اور بغی (زیادتی) ہوئی ہے، تو اگر وہ صبر و درگزر کر لے، تو اللہ اس کو عزت اور نصرت عطا فرمائے گا، جیسا کہ صحیح حدیث میں نبی ﷺ کا فرمان ہے: [مَا زَادَ اللَّهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ؛ وَلَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ "درگزر

کرنے والے بندے کو اللہ عزت میں اور بڑھائے گا۔ جس بھی شخص نے اللہ کی خاطر اپنے آپ کو نیچا کیا، اللہ اس کو اونچا کرے گا۔ اور صدقے سے مال کبھی کم نہ ہو گا]۔ نیز اللہ کا فرمان: [وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ "اور برائی کا بدلہ اس کے برابر برائی ہے۔ پھر جو معاف کر دے اور معاملے کو درستی پر لے آئے، تو اس کا اجر اللہ کے ذمے"]۔ پھر یہ آیت: [إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ. وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ "الزام تو ان لوگوں پر ہے جو انسانوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔ البتہ جس نے صبر کیا اور بخش دیا، تو یہ بڑے الوالعزمی کے کاموں میں سے ہے"]۔

پس جو باغی (زیادتی کرنے والا) ظالم ہے، اللہ دنیا اور آخرت میں اس سے انتقام لینے والا ہے؛ اور بغی (زیادتی) کو آخر ہلاکت ہے۔ عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں: "اگر کوئی ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ پر بغی (زیادتی) کر لے، تو اللہ ان میں سے بغی کرنے والے کو ریزہ ریزہ کر دے"۔ نیز کسی کا حکمت والا یہ شعر:

قَضَى اللَّهُ أَنَّ الْبَغْيَ يَصْرَعُ أَهْلَهُ ... وَأَنَّ عَلَى الْبَاغِي تَدُورُ الدَّوَائِرُ

"خدا کا یہ فیصلہ ٹھہرا کہ بغی (زیادتی) اپنے کرنے والے کو ڈھا دے۔ اور یہ کہ باغی پر برے دن آ کر رہیں"۔

اسی کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے: [إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ مَتَاعَ الْحَيَاةِ "تمہاری زیادتی تمہاری ہی جانوں کا وبال ہے؛ دنیا کے چند مزے"]۔ جبکہ حدیث میں ہے: [مَا مِنْ ذَنْبٍ أَحْرَى أَنْ يُعَجَّلَ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةُ فِي الدُّنْيَا مِنْ الْبَغْيِ، وَمَا حَسَنَةٌ أَحْرَى

أَنْ يُعَجَّلَ لِصَاحِبِهَا الثَّوَابُ مِنْ صِلَةِ الرَّحِمِ" کوئی گناہ نہیں جو بغی سے زیادہ اس بات کا حقدار ہو کہ اس کی سزا دنیا میں ہی اپنے کرنے والے کو مل جائے۔ اور کوئی نیکی نہیں جو صلہ رحمی سے بڑھ کر اس بات کی حقدار ہو کہ اس کا ثواب دنیا میں ہی اس کے کرنے والے کو مل جائے"]۔ پس ان دونوں گروہوں میں سے جو باغی (زیادتی کرنے والا) ظالم ہے، اسے چاہیے اللہ سے ڈرے اور تائب ہو جائے۔ اور جس پر دوسرے کی جانب سے ظلم اور بغی ہوا ہے، اور وہ صبر کر جائے، تو اس کے لیے اللہ کی طرف سے بشارت ہے۔ فرمایا: [وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ "اور خوش خبری دے صبر کرنے والوں کو"]۔ اس کی تفسیر میں عمرو بن اوس فرماتے ہیں: "یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر زیادتی ہو تو یہ زیادتی نہ کریں"۔ جبکہ اللہ نے مومنوں کو ان کے دشمن کے متعلق فرمایا: [وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا "اور اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کیے رکھو، تو ان کی سازش تمہارا کچھ نہ بگاڑے گی"۔ یوسف کے بھائیوں نے آپؑ کے ساتھ جو کیا، اس پر آپؑ نے صبر اور تقوی اختیار کیے رکھا، یہاں تک کہ اللہ نے آپؑ کی نصرت فرمائی۔ تب جب وہ آپؑ کے دربارِ اقتدار میں داخل ہوئے تو آپؑ کا یہ مکالمہ قرآن میں نقل ہوا: [قَالُوا أَئِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَذَا أَخِي قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ "کیا فی الحقیقت تو ہی یوسف ہے؟ کہا: میں یوسف اور یہ میرا بھائی۔ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا۔ فی الحقیقت جو تقویٰ اور صبر اختیار کرلے تو اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا"]۔ پس یہ یا کوئی بھی اگر صدق اور عدل کے ساتھ تقویٰ اختیار کرلے، اور اللہ کی حدوں سے تجاوز نہ کرے، اور دوسرے کی اذیت اور ظلم پر صبر کرلے، تو دوسرے کی سازش اسے نقصان نہ دے گی؛ بلکہ اس کو اللہ نصرت دے گا۔

لڑائیاں اور فتنے ہونے کی ایک وجہ: گناہوں کی زیادتی

نیز ایسے فتنوں لڑائیوں کا سبب گناہ اور خطائیں ہوتی ہیں۔ پس چاہیے کہ ہر دو گروہ اللہ سے استغفار اور توبہ کریں؛ کیونکہ اس سے عذاب رفع ہوتا اور رحمت نازل ہوتی ہے۔ اللہ فرماتا ہے: [**وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ** "اور اللہ ان کو کبھی عذاب دینے والا نہیں درحالیکہ تو (اے نبی) ان کے بیچ ہو۔ اور اللہ ان کو کبھی عذاب دینے والا نہیں درحالیکہ وہ استغفار کرتے ہوں"]۔ حدیث میں نبی ﷺ کا فرمان ہے: [مَنْ أَكْثَرَ مِنَ الِاسْتِغْفَارِ جَعَلَ اللَّهُ لَهُ مِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا، وَمِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا، وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ "کثرت سے استغفار کرنے والے کو اللہ ہر پریشانی سے نجات کی راہ نکال دینے والا ہے، اور ہر تنگی سے نکلنے کی راہ بنا دینے والا، اور اسے وہاں وہاں سے رزق دینے والا ہے جہاں سے اس کا گمان نہ ہوا ہو"]۔ اور اللہ فرماتا ہے: [**الر كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ۔ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنَّنِي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ۔ وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ** "الف لام را۔ ایک کتاب جس کی آیات محکم کی گئیں، پھر مفصل کی گئیں، ایک حکیم خبیر ہستی کی جانب سے۔ کہ مت کرو عبادت مگر اللہ کی؛ میں ہوں یقیناً اس کی طرف سے تمہیں ڈر سنانے اور خوشخبری دینے والا۔ اور یہ کہ اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اس کی طرف پلٹ آؤ؛ تاکہ وہ تمہیں ایک وقتِ مقررہ تک ایک اچھی متاع سے لطف اندوز کروائے، اور ہر بڑھنے والے کو بڑھ کر اس کا بدلہ دے"]۔

قومی و جاہلی نعرے؛ اور اہل اسلام کے مابین فتنے

شیخ الاسلام سے دریافت کیا گیا:

دو ایسے گروہوں سے متعلق جن کا دعویٰ ہے کہ وہ امتِ محمدؐ سے ہیں، مگر جاہلیت والے نعرے اور دہائیاں دیتے ہیں۔ مثلا (قبیلہ) اسد کی جے، (قبیلہ) ہلال کی جے۔ (قبیلہ) ثعلبہ اور حرام وغیرہ کی جے۔ جبکہ ان کے مابین دشمنیاں اور خون کے بدلے چلے آتے ہیں۔ جب دو گروہ ایک دوسرے کے مد مقابل آتے ہیں تو اہل ایمان ان کے مابین تالیف اور صلح صفائی کی کوشش کرتے ہیں، جس کے جواب میں وہ بغی کرنے والے بولتے ہیں: بدلہ لینا اللہ نے ہم پر واجب فرمار کھا ہے اور یہ آیت پیش کرتے ہیں: [وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ "اور ہم نے فرض ٹھہرایا تھا تورات میں ان پر کہ: جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، دانت کے بدلے دانت۔ اور زخموں میں بدلہ برابر"]۔ جس پر اہل ایمان ان کو سمجھاتے ہیں کہ یہ چیز کفر تک لے جانے والی ہے: مانند نفوس کا قتل اور اموال کا لوٹنا"۔ تو وہ کہتے ہیں: ہمارے ان پر بدلے ہیں لہٰذا ہم تو اپنے وہ بدلے بزورِ تلوار لیے بغیر نہ رہیں گے، اور پھر ان پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ پھر ان میں سے جو جیت جائے وہ بغی اور تعدی کرنے لگتا اور نفوس کو قتل کرنے اور

زمین میں فساد کرنے لگتا ہے۔ تو کیا جائز ہو گا کہ ایسے کسی بغی کرنے والے گروہ سے لڑا اور ان کو مارا جائے، جبکہ ان کو امر بالمعروف کر لیا گیا ہو؟ اگر یہ نہیں تو امام پر ایسے کسی بغی کرنے والے گروہ کے ساتھ کیا معاملہ کرنا واجب ہو گا؟

جواب میں فرمایا:

الحمد للہ۔ ان گروہوں کی لڑائی حرام ہے از روئے کتاب و سنت و اجماع۔ یہاں تک کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: [إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفِهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّار. قِيلَ يَا رَسُول اللَّه هَذَا الْقَاتِلُ، فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ؟ قَالَ:إِنَّهُ أَرَادَ قَتْلَ صَاحِبِهِ "جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے سے بھڑیں، تو قاتل اور مقتول ہر دو دوزخی ہوئے۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! یہ تو قاتل رہا، بھلا مقتول کیونکر؟ فرمایا: یہ اپنے بھائی کو قتل کرنے کا عازم تھا"۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا: [لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ "میرے بعد کافر نہ ہو رہنا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھرو"]۔ نیز فرمایا: [إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا. أَلَا لِيُبْلِغْ الشَّاهِدُ مِنْكُمْ الْغَائِبَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ "بے شک تمہارے خون، تمہارے اموال، تمہارے ایک دوسرے پر حرام ہیں، عین ویسی ہی حرمت جو تمہارے آج کے اس دن کی، تمہارے اس بلدِ (حرام) میں، اس ماہِ (حرام) میں۔ خبردار تم میں جو حاضر ہے وہ اس شخص کو پہنچا دے جو غائب ہے، کہ بہت سے ایسے جنہیں بات پہنچائی جائے وہ (موقع پر بات) سننے والوں سے زیادہ فہم والا ہوتا ہے"]۔ ایسے میں واجب وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے بتا رکھا

ہے:[وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۖ فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الحجرات:10،9)"مومنوں میں سے دو گروہ اگر آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی (بغی) کرے تو اس زیادتی (بغی) کرنے والے (گروہ) سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر وہ لوٹ آئے تو ان کے مابین عدل کے ساتھ صلح کرواؤ۔ اور انصاف کرو؛ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مومن سب بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں کے مابین صلح کروایا کرو، اور اللہ سے ڈرو، تاکہ فلاح پاؤ"]۔

جاہلی قومی لڑائیوں میں پڑے ہوؤں کے مابین صلح صفائی کروانا

چنانچہ اللہ کے حکم کے مطابق ان میں اصلاح کروانا واجب ہوگا۔ اصلاح کے کچھ طریقے ہیں: مانند: یہ کہ زکات وغیرہ کے اموال جمع کیے جائیں، تاکہ ان امور میں ادائیگی کی جائے۔ کیونکہ صلح صفائی کی غرض سے قرض اٹھانا اس بات کو جائز کرتا ہے کہ ایسا قرض اٹھانے والا مقروض ہو کر وہ پیسہ زکات سے لے لے، جیسا کہ شافعیؒ، احمدؒ اور دیگر ائمہ کے اصحاب کا قول ہے، از روئے حدیث:[يَا قَبِيصَةُ إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِثَلَاثَةٍ: رَجُلٌ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اجْتَاحَتْ مَالَهُ فَيَسْأَلُ حَتَّى يَجِدَ سَدَادًا مِنْ عَيْشٍ، ثُمَّ يُمْسِكُ. وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ؛ فَإِنَّهُ يَقُومُ ثَلَاثَةٌ مِنْ ذَوِي الحجى مِنْ قَوْمِهِ؛ فَيَقُولُونَ: قَدْ أَصَابَ فُلَانًا فَاقَةٌ، فَيَسْأَلُ حَتَّى يَجِدَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ

وَسَدَادًا مِنْ عَيْشٍ؛ ثُمَّ يُمْسِكُ. وَرَجُلٌ يَحْمِلُ حَمَالَةً فَيَسْأَلُ حَتَّى يَجِدَ حَمَالَتَهُ، ثُمَّ يُمْسِكُ "اے قبیصہ! سوائے تین لوگوں کے کسی کے لیے مانگنا جائز نہیں: ایک آدمی جس پر کوئی ایسی آفت آئی جو اس کے مال کا صفایا کر گئی، تا آنکہ اس کا گزارہ ہونے لگے۔ اس کے بعد وہ (مانگنے) سے رک جائے۔ دوسرا وہ آدمی جس کو فاقہ لگا ہے، تب اس کی قوم سے تین عقلمند اٹھ کر کہیں گے کہ فلاں آدمی فاقے میں مبتلا ہے۔ تب یہ مانگ لے تا آنکہ اس کی گزر اوقات ہونے لگے اور گزارے کی صورت پیدا ہو جائے۔ اس کے بعد وہ رک جائے۔ تیسرا وہ آدمی جس نے کسی کا مالی بوجھ اپنے سر لے لیا تھا۔ یہ مانگ لے یہاں تک کہ وہ بوجھ اتارنا اس کو مل جائے، پھر یہ رک جائے"]۔ صلح کے طریقوں میں سے ایک یہ کہ: دونوں گروہوں میں سے کوئی ایک یا دونوں ایک دوسرے پر واجب ہونے والے کچھ خونوں یا کچھ مالوں سے در گزر کر جائے۔[فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ "پھر جو معاف کر دے اور اصلاح کرے، تو اس کا اجر اللہ کے ذمے"]۔ صلح کے طریقوں میں سے ایک یہ کہ: دونوں کے مابین انصاف سے فیصلہ کر دے، اور دیکھے کہ دونوں گروہوں میں سے کس نے دوسرے کا کیا کیا جانی و مالی نقصان کیا، اور پھر ان میں قصاص کروا دے: [الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى "آزاد کا بدلہ آزاد سے، اور غلام کا بدلہ غلام سے، اور عورت کا بدلہ عورت سے"]۔ پھر اگر ایک گروہ دوسرے پر (خون معافی کا) احسان کر دے[فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ "دستور کی پیروی کرنا اور خوبی کے ساتھ اس کو ادا کرنا"]۔ اور مارے جانے والوں کی تعداد یا تلف کیے جانے والے مال کی مقدار نامعلوم ہو تو نامعلوم کو معدوم کا حکم دے۔ اور اگر کوئی ایک گروہ دوسرے پر زیادہ کا دعویٰ کرے: تو یا تو وہ دوسرے کو اس کے انکار پر حلف اٹھوائے یا گواہی لائے، یا دوسرا اگر

حلف اٹھانے سے گریز کرتا ہے تو فریقِ دیگر پر حلف ڈالنے، یا حلف سے گریز کرنے کی بنیاد پر فیصلہ کر دے۔ پھر اگر دونوں میں سے ایک گروہ بغی (زیادتی) کرتے ہوئے عدلِ واجب پر آنے سے انکاری ہوتا ہے، اور اللہ کے فیصلے پر آنے کی بات قبول نہیں کرتا، اور اس پر لڑنے لگتا یا دوسرے فریق کے خلاف قتال اور نفوس و اموال کے اتلاف پر آمادہ ہوتا ہے، جیسا کہ وہ کرتے آ رہے ہیں، تو اگر اسے روکنے کا سوائے قتل کے کوئی اور طریقہ مقدور میں نہیں، تو اس سے قتال کیا جائے گا تا آنکہ وہ اللہ کے فیصلے کی طرف لوٹ آئے۔ اور اگر ممکن ہو کہ بغیر قتال اسے عدل کا پابند کر لیا جائے، مثلاً یہ کہ ان میں سے کسی کو سزا دے لے، یا جو ان میں سے واجب القتل نکلے اسے قتل کر دیا جائے، وغیرہ، تو وہ کیا جائے، اور اس صورت میں قتال ضروری نہ ہو گا۔

خون کے بدلے کو شریعت کا عائد کردہ فرض کہہ کر مسلمانوں میں لڑائیوں کا سلسلہ چلانے والا اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے

رہ گیا کہنے والے کا یہ کہنا کہ بدلہ لینا اللہ نے ہم پر واجب کر رکھا ہے، تو وہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر جھوٹ ہے۔ کیونکہ اللہ نے کہیں یہ واجب نہیں کیا کہ جس مسلمان کا اس کے مسلمان بھائی پر کسی ظلم وغیرہ کے نتیجہ میں جان یا مال کا حق بنتا ہو، وہ اس سے ہر حال میں لے کر ہی رہے۔ بلکہ قرآن میں آدمیوں کے باہمی حقوق جو بھی ذکر ہوئے، ان میں عفو و درگزر کو مستحب ٹھہرایا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: [وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ "اور زخموں میں بدلہ برابر کا۔ پھر جو (قصاص) کا صدقہ کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے"] اور فرمایا: [فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ "تو نصف اس کا جو تم نے مقرر کیا، مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں یا وہ معاف کر دے جس

کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے"]۔ رہ گیا اللہ کا یہ فرمان: [وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ "اور ہم نے فرض ٹھہرایا تھا تورات میں ان پر کہ: جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، دانت کے بدلے دانت۔ اور زخموں میں بدلہ برابر۔ پھر جو (قصاص) کا صدقہ کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے۔ اور جو اللہ کے اتارے کے مطابق فیصلے ہی نہ کریں تو ایسے لوگ ظالم ہیں"]۔ تو علاوہ اس بات کے کہ یہ بنی اسرائیل پر مقرر کیا گیا تھا، گو قاعدہ یہی ہے کہ جو ان کے لیے حکم تھا وہی ہمارے لیے ہو، سوائے جہاں شریعتوں کا نسخ پایا گیا، مراد اس سے یہ ہے کہ: مومنوں کے مابین ایک دوسرے کے خون ہم پلہ ہیں۔ جیسا کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: [الْمُسْلِمُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ، وَهُمْ يَدٌ عَلَى مَنْ سِوَاهُمْ "مسلمانوں میں سب کے خون ایک دوسرے کے ہم پلہ ہیں، اور وہ سب اپنے غیر کے خلاف یک جان"]۔ یہ ہے: [النَّفْسَ بِالنَّفْسِ "جان کے بدلے جان"]۔ چاہے قاتل کوئی سردار، اپنے قبیلے میں معزز پیشوا ہو جبکہ مقتول کوئی نراعام آدمی۔ یا قاتل کوئی بزرگ ہو اور یہ بچہ۔ یا وہ کوئی دولتمند ہو اور یہ غریب۔ یا وہ عرب ہو اور یہ عجمی۔ یا وہ ہاشمی ہو اور یہ محض قریشی۔ یہ دراصل رد ہے جاہلیت کے اس دستور پر کہ جب ان میں قبیلے کا کوئی بڑا آدمی مارا جاتا تو وہ اس کے بدلے میں مخالف قبیلے کے کئی کئی آدمی مارتے۔ البتہ اگر قبیلے کا کوئی کمزور مارا جاتا اور اس کا قاتل کوئی سردار اور اپنے قبیلے کا پیشوا ہوتا تو اس کو مارا نہ جاتا۔ اس کا اللہ نے بطلان فرمایا یہ آیت اتار کر: [وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ "اور ہم نے فرض ٹھہرایا تھا تورات میں ان پر کہ: جان کے بدلے جان"]۔ چنانچہ ان پر جو چیز

واجب ٹھہرائی گئی وہ تھی عدل، اور وہ یہ کہ جان کے بدلے جان؛ کیونکہ زیادتی حرام ہے۔ رہ گیا اپنا حق لینا تو وہ حقدار کی مرضی پر ہے۔ یہ ویسا ہی ہے جیسے فرمایا: [وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ "اور جو مظلوم مارا جائے، تو بے شک ہم نے اس کے وارث کو قابو دیا؛ تو چاہیے کہ وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے]۔ مطلب: وہ اس کے قاتل کے سوا کسی کی جان نہ لے۔

اور اگر دونوں میں سے ایک گروہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے فیصلہ پر آنے کا مطالبہ کرے جبکہ دوسرا کہے کہ ہم اپنا حق اپنے ہاتھوں ابھی لیں گے، تو یہ عظیم ترین گناہوں میں سے ہوگا، اور اس بات کا موجب کہ ایسے قاتل ظالم فاجر کو سزا ملے۔

اور اگر وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے فیصلے پر آنے سے انکاری ہوں، درحالیکہ وہ قوت و شوکت رکھتے ہوں، تو امیر پر واجب ہوگا کہ ان سے قتال کرے۔ اور اگر قوت و شوکت والے نہ ہوں، تو پتہ کرے کون اللہ اور اس کے رسولؐ کے فیصلے پر آنے سے انکاری ہے اور اسے عدل کا پابند کرے۔

رہا ان کا یہ کہنا کہ "ہمارے ان پر بدلے بہت پیچھے سے چلے آتے ہیں" تو ان کو کہا جائے گا: ہم تمہارے بیچ پرانے اور نئے سب حقوق کے فیصلے کرا دیتے ہیں؛ کیونکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے فیصلہ کے دائرۂ کار میں یہ سب آتا ہے۔

صلح کے بعد قتل کرنے والا کتنا بڑا گناہگار ہے

رہ گیا وہ شخص جو صلح صفائی انجام پا لینے کے بعد، یا باہمی معاہدہ اور پیمان طے پا جانے کے بعد، دوسرے کا قتل کرے، تو اس کی سزا قتل ہے۔ یہاں تک کہ علماء کی ایک جماعت کا موقف ہوا کہ ایسے شخص کو بطورِ حد قتل کیا جائے گا، اور مقتول کے ورثاء کا معاف کرنا بھی

اس میں نہیں بنے گا۔ گو علماء کی اکثریت کا قول یہی ہے کہ اس کو بطورِ قصاص قتل کیا جائے،اور مقتول کے ورثاء کو اس میں اختیار حاصل ہو گا۔

اور اگر بغی کرنے والا کوئی گروہ ہو، تو وہ گرفت کا مستحق ہو گا۔ اگر ان کی اس حرکت کو روکنا سوائے قتال کے کسی اور صورت ممکن نہ ہو تو ان سے قتال ہی کیا جائے گا۔ اور اگر اس سے کمتر کسی چیز سے ممکن ہو، تو ان پر وہ گرفت کی جائے گی جس سے ان کا بغی و عدوان اور عہد شکنی روکی جا سکے۔ فرمایا نبی ﷺ نے: [يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ اسْتِهِ بِقَدْرِ غَدْرَتِهِ، فَيُقَالُ: هَذِهِ غَدْرَةُ فُلَانٍ "ہر غدر کرنے والے کے لیے قیامت کے دن اس کی دبر پر اس کے غدر کے بقدر ایک جھنڈا گاڑا جائے گا، اور کہا جائے گا: یہ رہا فلاں کا غدر"]۔ فرمانِ خداوندی ہے: [فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَى بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ "پھر جسے اس کے بھائی کی طرف سے (کچھ) معافی مل جائے؛ تو پھر تقاضا کرنا دستور کے مطابق اور ادا کرنا بھلی صورت؛ یہ ہے ایک تخفیف تمہارے رب کی طرف سے۔ لیکن اس کے بعد جو زیادتی کرے اس کے لیے ایک دردناک عذاب ہے"]۔ یہاں [فَمَنِ اعْتَدَى بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ "لیکن اس کے بعد جو زیادتی کرے اس کے لیے ایک دردناک عذاب ہے"] کے تحت علماء کی ایک جماعت نے کہا: یہ وہ ہے جو کسی کو معافی دینے کے بعد اس کا قتل کرے، پس ایسا شخص حتماً قتل ہو گا۔ دیگر اہل علم نے کہا: بس اتنی سزا دی جائے گا جو اس کو زیادتی سے روک دینے والی ہو"۔ واللہ اعلم

شریعت سے سرتابی کرنے والے طبقے
(الطائفة الممتنعة)

شیخ سے دریافت کیا گیا:

کچھ لوگ ہیں، نماز روزہ نہیں کرتے۔ روزہ رکھنے والا بھی ان میں نماز نہیں پڑھنے کا۔ مال ان کا حرام ہے۔ لوگوں کا مال لیتے ہیں۔ گو آتے جاتے اور کمزور کی خوب تواضع کرتے ہیں۔ کچھ معلوم نہیں مذہب ان کا کیا ہے۔ ہیں بس مسلمان؟

جواب میں فرمایا:

الحمدللہ۔ یہ لوگ اگر اولی الامر کی حکومت کے ماتحت ہیں تو ان پر واجب ہے، انہیں نماز کا حکم کریں، اور نماز چھوڑنے پر ان کو سزا دیں۔[72] یہی معاملہ روزوں کا ہے۔ اگرچہ وہ پنج

---

[72] یہاں آپ کو اس "گردوں" کی ایک تصویر ملتی ہے کہ علماء کے ہاں "سلطان" کے فرائض کیونکر ذکر ہوتے تھے، اگرچہ امراء کسی وقت ان تقاضوں کو پورا کرنے سے کتنا ہی دور اور بے عملی میں کتنا ہی دھنسے ہوئے کیوں نہ ہوں۔ یہ کم از کم بدیہی تھا کہ ایک "سیٹ" ہے کس چیز کے لیے؛ قطع نظر اس سے کہ اس پر کون بیٹھتا ہے۔ چونکہ اُس "اجتماع" کی ترکیب اسلام کی دی ہوئی تھی اور "امیر" یا "والی" اُس "ترکیب" کے اندر رکھی گئی یا چھوڑی گئی جگہ کو "پُر" کرنے والی ایک پوزیشن؛ اگرچہ وہ زبردستی کیوں نہ اُس "جگہ" کو پُر کر رہے ہوں (استبداد)، لہذا امراء کے فرائض duties اور وظائف

functions کے بیان میں یہ باتیں بڑے معمول کے ساتھ بولی اور سنی جاتی تھیں۔ ایسی باتیں کہ "نماز چھوڑنے پر امراء لوگوں کو سزا دیں" وغیرہ کم از کم حیرانی سے سننے کی نہ تھیں! جبکہ حالیہ (نووارد) تصور اجتماع پر قائم ایک انسانی یونٹ میں، جس کو آج سٹیٹ کہا جاتا ہے، "امام المسلمین" کے ان فرائض اور وظائف کا بیان ہی ایک اَن فٹ unfit سی چیز لگتا ہے! اور یہ وجہ ہے کہ علمائے دین بھی ان "ائمہ" سے اور اور تقاضے کریں تو کریں (مانند "شفاف" الیکشن وغیرہ)، البتہ ان فرائض اور وظائف کو زبان پر لانے میں آسانی محسوس نہیں کرتے جو اسلام میں ایک بدیہی بات ہیں۔ پس آپ دیکھتے ہیں، یہ باتیں ایک بڑے "طبعی" انداز میں علماء کے بیانیے سے آج غائب ہیں ("ووٹرز"/"عوام" کی تو بات ہی چھوڑیے، علماء!!!)۔ وجہ وہی کہ ایک ٹوٹا صحیح جڑ نہیں رہا؛ اور اس کا سراسر ایک "جگاڑ" ہونا آپ اپنی زبان! بلکہ "نماز قائم کروانا" تو اس سے بھی بعد کی بات ہے، یہ چیز ہی آج تعجب سے سنی جائے گی کہ امتِ توحید کا کوئی "امام" آج لوگوں کو اسلام کی دعوت دے اور اپنی آفشل official حیثیت میں مقامی کفار یا آس پاس کے کسی ہندو یا عیسائی حکمران کو "اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنے" اور "محمد ﷺ پر ایمان لانے" کی خالی بات ہی کہہ دے!!! غرض "اجتماع" کی ایک مخصوص ترکیب جو مغرب سے لی گئی، آپ سے آپ بولتی ہے کہ میں اسلام کے لیے ایک اجنبی چیز ہوں۔ ہمارے سادہ لوح یہاں جدید ریاست کے ہاتھوں "جہاد" کو ناممکن بتانے پر زور لگاتے رہے اور 'نئے دور' میں اس امر کی 'معذوریاں' نمایاں کر کر کے ہمارے ذہن نشین کرواتے رہے، حالانکہ مسئلہ بنیاد سے چوپٹ تھا۔ ہم کہتے ہیں، اجتماع کے اس جدید یونٹ میں "جہاد" تو بہت بعد کی بات "دعوت" ہی کو خارج از سوال کہیے۔ اپنی "اجتماعی" حیثیت میں آپ اِس جہان میں آج کسی کو اللہ کے ساتھ کفر سے روکنے کے، نہ بتوں کی پوجا پر دوزخ کی وعیدیں سنانے کے، اور نہ محمد ﷺ پر ایمان نہ لانے پر کسی کو اِنذار کرنے کے۔ یہ سب باتیں آپ "ذاتی" حیثیت میں کیجیے جتنا بھی کرنا ہو؛ "اجتماع" آپ کا البتہ اس سے صاف اِبا کرتا ہے؛ "جگاڑ" میں بھی اس کی گنجائش نہیں ہے۔ مسئلہ "جماعت" (اجتماع) کی ترکیب اور ساخت میں تھا جبکہ ہم بحثیں "متولی" اور "امام" کی کرتے رہے!

وقتہ نماز اور صیام رمضان اور فرض زکاۃ کی فرضیت کے اقراری کیوں نہ ہوں۔ ورنہ جو اس کا اقراری ہی نہیں وہ تو کافر ہے۔ اگر وہ نماز کی فرضیت کے اقراری ہیں لیکن اسے قائم کرنے پر نہیں آتے تو ان پر گرفت ہو گی جب تک کہ وہ اسے قائم نہ کرنے لگیں۔ ہر وہ شخص جو بالغ عاقل ہوتے ہوئے نماز نہیں پڑھتا جماھیر علماء مانند مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ کے نزدیک اس کو قتل کرنا واجب ہے۔ ان پر حدیں بھی قائم کی جائیں گی۔ اور اگر وہ طائفہ ممتنعہ (شریعت کے تحت آنے سے گریزاں گروہ) ہوں اور اصحابِ قوت و شوکت ہوں، تو ان سے قتال کرنا واجب ہو گا تاوقتیکہ وہ اسلام کے واجباتِ ظاہرہ و متواترہ مانند نماز، صیام، زکات پر عمل کرنے اور محرمات مانند زنا، سود، رہزنی وغیرہ چھوڑنے کے پابند نہ ہو جائیں۔ اور جو نماز اور زکات کے وجوب کا اقراری ہی نہ ہو تو وہ کافر ہے جس سے توبہ کروائی جائے گی، کر لے تو، ورنہ قتل کیا جائے گا۔ اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ اور یوم آخرت، اور جنت و دوزخ پر ایمان ہی نہ رکھے تو وہ کافر ہے، اور یہود و نصاریٰ سے بڑا کافر ہے۔ اور والدین کی نافرمانی دوزخ کے موجب کبائر میں سے ہے۔

ناپابندِ شریعت مسلمانوں کا کافر اقوام سے لڑنا

شیخ سے دریافت کیا گیا:

کچھ لوگ ہیں جو (کافر ملکوں کی) سرحدوں پر واقع علاقوں میں مقیم ہیں۔ آرمینیا والوں اور دیگر اقوام پر یورش کرتے ہیں۔ مال حاصل کر کے اسے شراب اور زنا وغیرہ میں اڑاتے ہیں: کیا اگر وہ (دورانِ جنگ) مارے جائیں تو شہید ہوں گے؟

آپؒ نے جواب دیا:

الحمد للہ۔ اگر وہ ان پر یورش ان کو صرف کفار محارب جان کر کرتے ہیں، تو اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوا۔[73] نبی ﷺ سے پوچھا گیا: [يَا رَسُولَ اللَّهِ الرَّجُلُ يُقَاتِلُ

---

73 یعنی شراب اور زنا ایسے گناہوں میں ملوث مسلمان بھی اگر کافر اقوام پر یورش کرنے میں "ملتِ اسلام" کی تقویت اور "ملتِ شرک" کو کمزور یا سرنگوں کرنے کی نیت رکھیں تو ان کے اس جہاد کو "جہاد فی سبیل اللہ" کی سند حاصل ہو گی، ان شاء اللہ۔ محبطِ اعمال (اعمال کو یکسر برباد کرنے والی شے) صرف ایک ہے؛ اور وہ ہے شرک و ارتداد۔ باقی ہر عمل، چاہے آدمی کتنا ہی گناہگار کیوں نہ ہو، اللہ کے ہاں قدر ہی کی نگاہ سے دیکھا جاتا اور باعثِ اجر ہوتا ہے؛ بر خلاف مذہبِ خوارج و معتزلہ۔

یہاں؛ اپنے آئیڈلسٹ طبقوں کے دیے ہوئے بیانیہ کی اصلاح ضروری ہے جو جہاد کے لیے لوگوں میں تقریباً "اولیاء" والے اوصاف ہونا لازم سمجھتے ہیں؛ جو جہاد اور کفار کے خلاف ملت کے کسی

شَجَاعَةً، وَيُقَاتِلُ حَمِيَّةً؛ وَيُقَاتِلُ رِيَاءً: فَأَيُّ ذَلِكَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ؟ فَقَالَ: مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ"اے اللہ کے رسول! کسی آدمی کا لڑنا بطور شجاعت۔ کسی کا لڑنا بطور حمیت۔ اور کسی کا لڑنا بطور نمائش۔ ان میں سے کونسا لڑنا فی سبیل اللہ ہو گا؟ فرمایا: جو لڑا اس لیے کہ اللہ کا بول ہی سب سے بالا ہو، وہ فی سبیل اللہ ہو

ضروری اقدام، یا اس ضروری اقدام کا حصہ بننے سے معذرت کے موقع پر ایک لگا بندھا جملہ بولتے ہیں: 'ابھی کیا ہماری تربیت ہوئی ہے'، یا 'ابھی تو ہمارے اعمال ہی درست نہیں ہیں'! فی الحقیقت یہ حضرات، کبائر کے مرتکب مسلمانوں کے کافروں سے لڑنے یا الحاد کے خلاف مسلم مزاحمت کی سپاہ بننے کو "شرعی جہاد" ماننے میں اچھے خاصے 'منہجی' اشکالات رکھتے ہیں۔ ہمیں یاد ہے، سوویت قبضے کے دوران کمیونسٹوں کے خلاف لڑنے والے افغانوں کے قتال کو شرعی جہاد کہنے میں "شرح صدر" نہ پانے والے بعض نیک طبقے اس کی ایک وجہ یہ بتایا کرتے تھے کہ افغانوں میں نسوار عام ہے اور وہ اس سے تائب نہیں ہو رہے!

یہاں آئیڈیلزم کی ایک اور فرع، ملتوں کی لڑائی کو جہاد فی سبیل اللہ کی سند دینے میں اس لیے متردد ہے کہ یہ کوئی "اسلامی نظام" کی جدوجہد تھوڑی ہے! لہٰذا اسے 'جہادِ حریت' کے علاوہ کچھ ماننے کے لیے تیار نہیں! مسلمان بچیوں کی عزتوں پر حملہ آور وحشی کفار سے لڑنا، مسلم جانوں، اَملاک اور مسلمانوں کے سنگین دُوررَس مفادات، مسلمانوں کے کھیتوں کھلیانوں، دریاؤں اور زمینوں کو کافروں کی دست برد سے بچانے کے لیے قتال کے عمل میں شریک ہونا اگر "اسلامی نظام" والی جدوجہد پر قائم نہیں تو اسے "اعلائے کلمۃ اللہ" ماننا ان حضرات کے لیے تقریباً خارج از سوال ہے، حالانکہ "اعلائے کلمۃ اللہ" ایک وسیع لفظ ہے اور اس کو "نظام" کی جدوجہد میں محصور کرنے پر کوئی دلیل نہیں۔ مسلم جانوں اور عصمتوں کی حرمت "کلمۃ اللہ" ہی میں آتی ہے؛ اور یہ سب "کلمۃ اللہ" کا اِعلاء۔

گا"]۔ان میں ایک آدمی اگر صرف مال حاصل کرنے اور اسے گناہوں میں صرف کرنے کے لیے لڑتا ہے تو ایسے لوگ فاسق اور وعید کے مستحق ہوں گے۔ اور اگر ان کا مقصود یہ ہے کہ اللہ کا بول ہی سب سے بالا ہو، اور دین سب اللہ کا ہو جائے تو وہ مجاہدین ہیں؛ اور (اس صورت میں) اگر ان کے ہاں کبائر پائے جاتے ہیں تو (ان کا سٹیٹس یہ کہ) وہ حسنات والے بھی ہوئے اور سیئات والے بھی۔ البتہ اگر وہ خطے کے مسلمانوں پر بھی (ویسی ہی بے دریغ) یورش کر جانے والے ہیں[74] تو یہ مفسدین فی الارض ہوئے، اور (سورۃ المائدۃ والی آیت کے تحت) اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کرنے والی (رہزن) صنف میں آنے والے، جن کے لیے دنیا و آخرت میں غایت درجے کی سزا ہے۔ واللہ اعلم

---

74 یعنی اپنی لوٹ مار میں حربی کافروں اور مسلمانوں کا فرق ہی نہیں کرتے تو وہ مفسدین ہیں نہ کہ مجاہدین۔ اور واضح رہے، جب اس مخصوص سیاق میں ہم "مسلمانوں کے جان مال کی عصمت" بولیں گے، تو مسلمانوں کی امان میں پائے جانے والے کافر (اہل ذمہ) ساتھ مراد ہوں گے۔ حق تو یہ کہ ان کے جان مال کی حفاظت مسلمانوں کے ہاں اپنے جان و مال سے بڑھ کر کی جاتی ہے۔

سلطان کے حکم پر رہزنوں سے لڑتے ہوئے مارنے یا مرنے والا

شیخ سے دریافت کیا گیا:

ایک سپاہی امیر کے ساتھ ہے۔ سلطان شکار کے لیے نکلا۔ سلطان نے حکم نامہ صادر کیا کہ عرب کے کچھ (مخصوص) لوگوں کو جان و مال سے محروم کر دیا جائے۔ یہ پہاڑوں کی جانب روانہ ہوا تو اسے تیس شخص دکھائی دیے جو فرار ہو گئے۔ تب امیر نے کہا: گھوڑوں سے ان کا پیچھا کرو، تب وہ پلٹے اور جنگ کرنے لگے۔ اس سپاہی کی ضرب سے بھی ایک شخص مارا گیا۔ کیا اس (سپاہی) پر کوئی چیز لازم آتی ہے یا نہیں؟

جواب میں فرمایا:

الحمد للہ رب العالمین۔ یہ شخص جس کا پیچھا کیا جا رہا تھا اگر کسی ایسے گروہ سے تھا جو ظلم و فساد کرنے والا اور اطاعت سے نکلنے والا اور جماعت سے مفارقت کرنے والا اور مسلمانوں کے جان و مال پر ناحق حملے کرنے والا ہو، اور ان کا پیچھا اس لیے کیا گیا کہ ان پر اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ نافذ کیا جائے، تو ایسے گروہ کے اس شخص سے جو (اس سپاہی کے مقابلے پر) آیا، لڑنا جائز تھا۔ ایسے شخص کو، بایں طور، قتل کرنے والے پر کچھ لازم نہ آئے گا۔ بلکہ جمہور ائمہ مانند ابو حنیفہؒ، مالکؒ اور احمدؒ کے نزدیک حرابہ (رہزنی) کا براہِ راست مرتکب شخص اور پیچھے سے اس کام میں مدد کرنے والا شخص ہر دو یکساں ہیں۔

"بھائی وال" ہونے سے متعلق کچھ شرعی احکام

شیخ سے دریافت کیا گیا:

"بھائی وال" ہونے کے متعلق، جو اس زمانے میں بعض لوگ کرتے ہیں۔ ہر دو فریق اس میں یوں پابند ہوتے ہیں: کہ میرا مال تیرا مال ہوا۔ میرا خون تیرا خون ہوا، میری اولاد تیری اولاد ہوئی۔ دوسرا شخص پھر پہلے کو یہی بات کہتا ہے۔ (عہد کی نشانی کے طور پر) دونوں ایک دوسرے کے خون کا گھونٹ بھرتے ہیں۔ تو کیا یہ فعل مشروع (مطابقِ شریعت) ہے؟ اگر یہ مشروع اور مستحسن نہیں ہے، تو کیا یہ مباح ہے؟ یا نہیں؟ اور کیا اس پر کچھ ایسے شرعی احکام مترتب ہوتے ہیں جو حقیقت میں بھائی بھائی ہونے سے ثابت ہوتے ہوں؟ اور وہ مؤاخات کیا ہے جو نبی ﷺ نے مہاجرین وانصار کے مابین کروائی تھی؟

"بھائی وال" ہونے نہ ہونے سے قطع نظر، رشتوں/ذمہ داریوں کی شرعی حیثیت اپنی جگہ قائم

جواب میں فرمایا:

الحمد للہ رب العالمین۔ یہ فعل اس انداز پر جو مذکور ہوا، تمام مسلمانوں کے اتفاق کی رو سے، مطابقِ شرع نہیں ہے۔ اخوت کی صورت اصل میں وہ تھی جو نبی ﷺ نے مہاجرین وانصار کے مابین مؤاخات کروائی اور انس بن مالک کے گھر میں ان کے مابین (اس پر) حلف بندی کروائی۔ جس میں (مثلاً) سعدؓ بن ربیع اور عبدالرحمنؓ بن عوف کی مؤاخات کروائی، تو سعدؓ عبدالرحمنؓ سے کہنے لگے: میرا آدھا مال لے لو۔ میری دو بیویوں میں سے ایک چن لو کہ

میں اس کو طلاق دے دوں اور پھر تم اس سے نکاح کر لو، جس پر عبدالرحمنؓ نے جواب دیا: اللہ تمہیں تمہارے مال اور اہل میں برکت دے؛ مجھے بازار کا راستہ دکھا دو۔ اسی طرح سلمان فارسیؓ اور ابوالدرداءؓ کی مؤاخات کروائی۔ یہ سب واقعات صحیح ہیں۔

مہاجرین و انصار کی مؤاخات سے متعلق ایک شرعی حکم جو اَب منسوخ ہے

البتہ بعض سیرت نگار جو لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے علیؓ اور ابو بکرؓ کی مؤاخات کروائی، یا اسی طرح کی کچھ باتیں، تو یہ باطل ہے؛ اور اس بات پر فن حدیث پر نظر رکھنے والوں کا اتفاق ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے نہ کبھی کسی مہاجر اور مہاجر کے مابین مؤاخات کروائی اور نہ کسی انصاری اور انصاری کے مابین۔ بلکہ مؤاخات کروائی مہاجرین اور انصار کے مابین۔ تب اس مواخات اور حلف بندی کی حیثیت یہ تھی کہ قرابتداروں کی جگہ یہ ایک دوسرے کے وارث بنا کرتے تھے، تاوقتیکہ یہ آیت نازل نہ ہو گئی: [وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ "اور خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں"]۔ جس پر میراث، مؤاخات اور حلف بندی کی بجائے خونی رشتے کی بنیاد پر ہونے لگی۔ علماء کا اس پر اختلاف ہوا ہے کہ وہ حکم اب شریعت میں نسخ ہو جانے کے بعد جہاں آدمی کا خونی رشتہ داروں یا موالی میں سے کوئی وارث ہو ہی نہ، کیا وہاں اس قسم کی مؤاخات اور حلف بندی کی بنیاد پر ایک دوسرے کو وراثت جائے گی؟ اس پر دو قول ہوئے: ایک یہ کہ جائے گی، یہ ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے اور احمدؒ سے بھی ملنے والی دو روایتوں میں سے ایک۔ اس کی دلیل وہ اس آیت سے دیتے ہیں: [وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ "اور وہ جن سے تمہارا حلف بندھ چکا ان کو ان کا حصہ دو"]۔ دوسرا قول یہ کہ: کسی بھی صورت میں اس سے وراثت

نہیں ہو گی، یہ مالکؒ اور شافعیؒ کا مذہب ہے اور احمدؒ سے ان کے اصحاب کے ہاں پائی جانے والی مشہور روایت۔ ان کا کہنا ہے: یہ آیت منسوخ ہو چکی۔

اسلام کا فریضۂ اخوت بجائے خود کافی ہے

اسی طرح اس پر بھی اختلاف ہوا ہے کہ اسلام میں کیا اب یہ مشروع ہو گا کہ دو شخص آپس میں کوئی ایسی مؤاخات اور حلف باندھ لیں جیسی مہاجرین اور انصار کے مابین ہوئی تھی؟ ایک قول یہ کہ: یہ منسوخ ہو چکا، اور اس کی دلیل صحیح مسلم کی یہ حدیث جو جابرؓ سے ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [لَا حِلْفَ فِي الْإِسْلَامِ [75] وَمَا كَانَ مِنْ حِلْفٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ

---

[75] حِلف، حاء کی زیر کے ساتھ، مطلب: pact, treaty, alliance، جیسے حِلف الفضول۔ حِلف میں شریک لوگوں کو ایک دوسرے کے حلیف یا حُلَفاء کہیں گے۔ جاہلیت میں کچھ نیک مقاصد (اور "بنیادی حقوق" "basic rights" وغیرہ اشیاء) کے لیے لوگوں کے مابین حلف بندی treaty کی ضرورت اس لیے تھی کہ ان کو خیر کی بعض باتوں پر "پابند کرنے" والی (یعنی binding) کوئی چیز دنیا میں تھی ہی نہیں، سوائے ان کے آپس کے پیمان و قرار treaty & pact کے۔ البتہ اسلام آجانے کے بعد ایسا نہیں رہا؛ اسلام بجائے خود binding ہے، اور خیر کے سب مقاصد اور فرائض اور مستحبات خود اسی کے اندر مفصل طور پر درج؛ پھر treaty کی گنجائش؟ خصوصاً اسلام کے احکام پورے نازل ہو جانے (الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ) کے بعد۔ [لَا حِلْفَ فِي الْإِسْلَامِ "اسلام میں اب (آپس کی) کوئی حلف بندی نہیں"]۔ بنا بریں؛ اسلام کے دنیا میں آجانے کے بعد لوگوں کا خیر کے بعض اہداف پر اتفاق agreement اور اصطلاح convention کر لینا، ان کو اس پر پابند bind کرنے کے معاملہ میں بجائے خود حوالہ reference نہ رہنے دیا جائے گا؛ کیونکہ یہ رسالت کے حق میں ایک تجاوز trespass ہے۔ واجب یہ ہے کہ خیر اور حق کے ان اہداف پر "پابند" کرانے

binding میں حوالہ مسلسل رسول اور اس کی اطاعت ہو، تاکہ یہ سارا عمل اور یہ ساری سیاسی و سماجی سرگرمی براہِ راست "عبادت" اور "مقصدِ تخلیق کی تعمیل" بنا رہے۔ موجودہ دور میں "سوشل کانٹریکٹ" اور "کانسٹی ٹیوشنل ازم" وغیرہ کو اہل اسلام کے حق میں ہم اسی وجہ سے قبول نہیں کرتے کہ یہ "رسالت" سے نابلد و محروم معاشروں کی چیزیں ہیں (رسالت سے نابلد، یعنی جاہلیت)۔ ["وضع" کے مقابلے پر "شرع" (رسالت)] کو معاشرے کی مرکزی ترین حقیقت بنا رکھنے کے باب میں؛ یہ بات نہایت اہم ہے — خصوصاً آج جب ہیومن ازم کا شرک فضا کا جزو بنا ہوا؛ لوگوں کی ایک ایک سانس میں سرایت کرنے کو ہے — کہ "خیر" کے لیے حوالہ نری انسانی عقل یا انسانی فطرت یا انسانی اتفاق و اصطلاح نہ رہے۔ اس کی بجائے یہ ہو کہ: اس سب سے کفایت کرنے کے لیے اللہ نے ہماری طرف ایک رسول بھیج دیا ہے؛ اور اُسی کا فرمایا اب ہمارے لیے پل پل کا حوالہ۔ اور یہ ہے درحقیقت 'دھرتی کی اقوام' کے مقابل "آسمانی امت" ہونا؛ جس سے بڑھ کر کوئی امتیاز دنیا و آخرت میں ہو نہیں سکتا۔ "رسول کا دامن تھامنے" اور "اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑنے" (**اعتصام بحبل الله**) میں یہ معنیٰ آج بے حد اہم ہے۔

ہیومنسٹ شرک کے اطلاقات سے پس اگر آپ واقف ہیں، تو یہ ایک بہت سطحی بات ہو گی کہ مخلوق کو اپنا پابند bind کرنے والی انسانی treaties پر آپ اپنے یہاں بس اتنی سی قید لگا دیں کہ اس کی کوئی بات 'کتاب و سنت کے منافی' نہ ہو! (اور اگر منافی ہو تو اس کو بدلوانے کے لیے آپ 'درخواست' کرنے کا حق محفوظ رکھتے ہیں!!!)۔ بھائی اصل مسئلہ انسان کو اپنا پابند کرنے میں انسانی اَحلاف human treaties کی وہ حیثیت ہی تو ہے جس میں وہ شرع کو ری پلیس replace کرنے آ گئی ہیں۔ اصل جھگڑا تو وہاں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسلام آجانے کے بعد اب مزید حِلف

فَلَمْ يَزِدْهُ الْإِسْلَامُ إِلَّا شِدَّةً[76] "اسلام میں کوئی (آپس کی) حلف بندی نہیں۔ ہاں

---

treaty سے منع فرمایا، تو وہ 'ٹریٹی' لوگوں کے مرضی وارادہ consent وموافقت approval کے ساتھ ہی تو ہوتا ہے۔ اس نام نہاد "اپروَل" ہی کی تو نفی ہوئی ہے حضرات!

معلوم ہونا چاہیے، "خیر" اور "بھلائی" کے زیادہ سے زیادہ حوالے آج 'زمین' ہی میں تلاش کرنا اور انہی پر زیادہ سے زیادہ اکتفاء کروانا اِس دور کا ایک عظیم فتنہ ہے، اور "آسمانی حوالوں" کو منظر سے ہٹانے اور "رسالتوں" کو سائڈ لائن کروانے کا ایک زبردست ابلیسی حربہ۔ مسئلہ 'سیاسیات' تک نہیں؛ بنیادی طور پر یہ ایک ہی رُوٹ ہے جس پر چلتے ہوئے آپ کے یہاں کا ایک پروفیسر کہتا ہے کہ میں سٹوڈنٹس کو "اخلاق" سکھاتا ہوں، "امانت" کی بہت تاکید کرتا ہوں، مگر اس سب پر محمد ﷺ کا نام لیے بغیر، کیونکہ اس سے آپ کی بات میں مذہبی رنگ آجاتا ہے!

پس وہ مسئلہ تو بہت سادہ ہے جہاں وہ "کتاب وسنت کے منافی" ہے! بہت بڑی واردات تو وہاں ہے جہاں خیر اور بھلائی کی ایک بات ہمارے اور جاہلیت کے مابین مشترک ہے۔ جہان کے مالک اور اس کی رسالتوں کو وہاں سے فارغ کروانا ہی تو اصل کیچ catch ہے؛ اگر آپ بیدار ہونے پر تیار ہوں!

[76] صحیح مسلم: رقم الحدیث 2530۔ ابو داود: رقم الحدیث 2925، مسند أحمد کی حدیث میں آتا ہے: [لما دخل رسول الله -صلي الله عليه وسلم - مكة عام الفتح، قام في الناس خطيبا، فقال :"يا أيها الناس؛ إنه ما كان من حلْف في الجاهلية فإن الإسلام لم يزده إلا شِدَّةً، ولا حلْف في الإسلامِ، وَالمسلمون يَدٌ على منْ سواهم، تَكَافأ دِماؤهم" فتح کے سال رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے، تو لوگوں میں خطبہ ارشاد فرمانے کھڑے ہوئے، اور فرمایا: "اے لوگو! دیکھو جو کوئی حِلف جاہلیت میں تھا، تو اسلام میں اس کو اور بھی تقویت حاصل ہو گی۔

جاہلیت سے چلی آتی جو بھی حلف بندی ہے اسلام اس کو اور بھی تقویت دیتا ہے]۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ویسے ہی مومنوں کو بھائی بھائی ٹھہرا دیا ہے، بنص قرآن۔ جبکہ حدیثِ رسول ﷺ میں ہے: [الْمُسْلِمُ أَخُوالْمُسْلِمِ لَا يُسْلِمُهُ، وَلَا يَظْلِمُهُ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مِنْ الْخَيْرِ مَا يُحِبُّهُ لِنَفْسِهِ "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ وہ اسے کسی کے سپرد کرتا ہے اور نہ اس پر ظلم کرتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہ پسند نہیں کرتا جو خود اپنے لیے"]۔ پس جو شخص ایمانی واجب کو قائم رکھے ہوئے ہے وہ خود بخود ہر مومن کا بھائی ہوا، اور مومن پر فرض ہوا کہ وہ اس کے حقوق ادا کرے، اگرچہ[77] دونوں کے مابین علیحدہ سے کوئی عہد و پیمان نہ ہوا ہو؛ اس لیے کہ اللہ اور

اسلام میں (البتہ اب) کوئی حِلف نہیں۔ مسلمان سب اپنے ماسوا کے مقابلے پر ایک قوت ہیں۔ ان سب کے خون ایک دوسرے کے ہم پلہ ہیں"]۔ احمد، رقم الحدیث 6692۔

[77] یہ وہی مبحث ہے جس کا ذکر ہم نے فصل دوم [جماعت (بندھن)، اطاعت، پابندی... شرعی فرائضہ نہ کہ انسانی سمجھوتہ] کے تحت ایک حاشیہ میں کیا۔ یہاں آنے والا سارا کلام "سوسائٹی" سے متعلق آئینِ اسلام کی اصل روح سمجھنے اور "سوشل کونٹریکٹ" کے ایک خدا آزاد فلسفے کو اس میں دخیل نہ ہونے دینے کے لیے ہمیں کچھ نہایت اہم بنیادیں فراہم کر رہا ہے۔

ابن تیمیہؒ کی اس کتاب پر ہماری تعلیقات [سلطنتِ اسلام بموازنہ ماڈرن سٹیٹ.. "خلافت و ملوکیت" مؤلفہ ابن تیمیہ کی روشنی میں) کی کچھ فصول عین اسی نکتے پر روشنی ڈالنے کے لیے مختص ہیں:

1. فصل: "ابن تیمیہ کا بیان... سوشل کونٹریکٹ کا ابطال"
2. فصل: "شریعت بذاتِ خود دستور ہے"

اس کا رسولؐ ان دونوں کے مابین اخوت کا یہ عقد و پیمان خود ہی باندھ چکے ہیں از روئے آیت: [إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ "مومن تو ہیں ہی بھائی بھائی"]۔ نیز نبی ﷺ کا یہ فرمان: [وَدِدْت أَنِّي قَدْ رَأَيْت إخْوَانِي "جی کرتا ہے میں نے اپنے بھائیوں کو دیکھ لیا ہوتا"]۔

محبت و نصرت اور بغض و عداوت اصل وہ جو شریعت نے از خود فرض کر دی

جو شخص ایمان کے لوازم سے خروج نہیں کر رہا، اس کے ساتھ اس کی اس حیثیت کے عین مطابق تعامل کرنا واجب ہو گا، سو اس کی نیکیوں کی ستائش ہو گی، ان نیکیوں پر اس کی نصرت اور تائید کی جائے گی، اس کی برائیوں سے اس کو روکا جائے گا، اور برائیوں پر اس سے دوری رکھی جائے گی، سب حسبِ امکان۔ نبی ﷺ کا فرمان ہوا: [أُنْصُرْ أَخَاك ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا قُلْت يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْصُرُهُ مَظْلُومًا، فَكَيْفَ أَنْصُرُهُ ظَالِمًا قَالَ: تَمْنَعُهُ مِنْ الظُّلْمِ، فَذَلِك نَصْرُك إيَّاهُ "اپنے بھائی کی نصرت کر، وہ ظالم ہے تب اور مظلوم ہے تب۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس کے مظلوم ہوتے ہوئے تو اس کی نصرت کروں گا، اس کے ظالم ہوتے ہوئے کیسے اس کی نصرت کروں؟ فرمایا: اسے ظلم سے روکو گے، یہ ہے تمہارا اس کی نصرت کرنا"]۔ ہر مسلمان پر ہی یہ واجب ہے کہ اس کی محبت اور اس کا بغض، اس کی موالات (اس کی دوستی و نصرت) اور اس کی معادات (اس کی دشمنی

3. فصل: "آئین پرستی constitutionalism شجرِ ہیومنزم کی ایک ڈالی"
4. فصل: "آج کا آئین محض کچھ انتظامی شیڈولز کا نام نہیں ہے"۔
5. فصل: "آئینی ریاست کا چکما"۔

اور بیر): اللہ اور اس کے رسولؐ کے امر کے تابع ہو؛ جسے اللہ و رسولؐ محبوب رکھیں اسے محبوب رکھے، جسے اللہ و رسولؐ مبغوض رکھیں اسے مبغوض رکھے، جو اللہ و رسول سے موالات رکھے (جو اللہ و رسولؐ کا ساتھی ہو) یہ اس سے موالات رکھے (یہ اس کا ساتھی ہو)، اور جو اللہ و رسولؐ کا بیری ہو یہ اس کا بیری ہو۔ پھر جس شخص میں ایسے نیک امور بھی ہوں جن کی بنیاد پر اس سے جڑنا اور اس کا ساتھ دینا (موالات کرنا) بنتا ہو، اور ایسے برے امور بھی ہوں جن کی بنیاد پر اس سے بیر رکھنا بنتا ہو، اس سے اس کے بموجب معاملہ کیا جائے گا، جس طرح کہ اہلِ ملت کے فُسّاق کے ساتھ معاملہ؛ کیونکہ وہ بیک وقت اس بات کے مستحق ہوتے ہیں کہ ان کو ثواب بھی ہو اور ان کی پکڑ بھی ہو، ان سے موالات بھی رکھی جائے اور ان سے بیر بھی رکھا جائے، انہیں محبوب بھی رکھا جائے اور مبغوض بھی، جس جس قدر ان میں نیکی ہے اور جس جس قدر ان میں بدکاری ہے، اس کے بقدر۔ اس لیے کہ: [فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ "پس جو ایک ذرہ خیر کرے تو وہ اسے دیکھ لے گا"] اور [وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ "اور جو ایک ذرہ برائی کرے تو وہ اسے دیکھ لے گا"]۔ اور یہ اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے، برخلاف خوارج و معتزلہ کے مذہب کے، اور برخلاف مرجئہ و جہمیہ کے مذہب کے؛ کیونکہ وہ ایک جانب کو لڑھک جاتے ہیں اور یہ دوسری جانب کو۔ جبکہ اہل سنت و جماعت: وسط۔

کیا مہاجرین و انصار ایسی "مؤاخات" آج کی جا سکتی ہے؟

تاہم کچھ لوگوں کی یہ بھی رائے ہے کہ ایسی مؤاخات اور حلف بندی کرنا (آج بھی) مشروع ہے۔ یہ موقف ان فقہاء کے قول کے ساتھ ہم آہنگ بھی رہے گا جو (خونی وارثوں کی غیر موجودگی میں) مؤاخات و حلف بندی کی بنیاد پر وراثت کے قائل ہوئے۔ البتہ اس پر

مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں کہ ایسی وراثت کے وقت بھی ان میں سے ایک کی اولاد دوسرے کی اولاد نہیں ہو سکتی۔ اللہ نے وہ تبنّیٰ (منہ بولا بیٹا بنانا) منسوخ ٹھہرا دیا ہے جو جاہلیت میں ہوتا اور جس کی رو سے آدمی دوسرے کی اولاد کو اپنی اولاد بنالیتا تھا۔ فرمایا: [مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ اللَّائِي تُظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ "اللہ نے کسی شخص کے دھڑ میں دو دل نہیں رکھے۔ نہ تمہاری ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری ماں بنا دیا ہے۔ نہ تمہارے منہ بولوں کو تمہارا بیٹا بنا دیا ہے"]۔ اور فرمایا: [ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ "منہ بولوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے ہی پکارو؛ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف والی بات ہے؛ پھر اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو یہ تمہارے دینی بھائی اور موالی ہوئے"]۔ اسی طرح ان میں سے ایک کا مال دوسرے کا مال نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کی وراثت میں جائے؛ کیونکہ یہ ہر دو طرف سے ممکن نہیں۔ ہاں اگر وہ دونوں دل کی خوشی سے ایک دوسرے کے مال میں ایک دوسرے کا تصرف قبول کریں، تو یہ جائز ہو گا۔ جیسا کہ سلف کے ہاں یہ بات رہی کہ وہ ایک دوسرے کے گھر میں اس کی غیر موجودگی میں داخل ہوتے تو وہاں موجود اشیاء کھا پی لیتے، اس لیے کہ آدمی کو معلوم ہے کہ دوسرا اس کے ایسا کرنے پر دل سے خوش ہے، جس طرح کہ قرآن میں آیا: [أَوْ صَدِيقِكُمْ "یا اپنے دوستوں کے (گھروں) سے"]۔ رہ گیا یہ کہ دونوں (توثیقِ معاہدہ کی علامت کے طور پر) ایک دوسرے کے خون کا گھونٹ لیں، تو یہ کسی بھی صورت جائز نہیں۔ اس میں نجاست کے ساتھ ساتھ جو کم از کم خرابی ہے وہ یہ کہ اس میں ان لوگوں کی رسم سے مشابہت ہے جو اِثم اور عُدوان کے بعض کاموں پر آپس میں "بھائی

وال" بنتے ہیں، مثلاً جو لوگ فواحش یا کسی شیطانی عشق بازی مانند امرد (بے ریش) لڑکوں سے تعلق وغیرہ کے معاملہ میں (بھائی وال بنتے) ہیں، اگرچہ ظاہر کچھ اور کریں، مثلا یہ کہ یہ ہم پیشہ وغیرہ ہیں۔ یا مثلاً جو ظلم و بدمعاشی اور لوگوں کا ناحق مال کھانے کے دھندے میں (بھائی وال بنتے) ہیں۔

غیر محرم کو بہن بنانا!

چنانچہ یہ اسی "بھائی وال" ہونے کی قبیل سے ہے جو کچھ ایسے لوگوں کے پایا جاتا ہے جو نسوانی پیری مریدی اور سلوک سے وابستہ ہوتے ہیں، اور جن کے لوگ نامحرم عورت کو "بہن" بناتے اور اس کے ساتھ خلوت کے روادار ہوتے ہیں۔[78] ایسے کئی ایک لوگوں نے یہ مانا ہے کہ ان کے مابین بدکاریاں واقع ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایسی "بھائی والی" اور اس سے ملتی جلتی سب اشکال جن میں اللہ کے منع کردہ امور میں تعاون کیا جاتا ہے، مسلمانوں کے اتفاق کی رو سے حرام ہوں گے۔

<u>نیک کاموں میں</u> "بھائی وال" ہونا ہی علماء کے مابین مسئلہ نزاع ہے

اختلاف ہوا ہے "بھائی وال" ہونے کی صرف ان صورتوں پر جن میں تعاون نیکی اور تقویٰ کے معاملات ہی میں انجام پائے، یعنی جس میں لوگ اللہ کی اطاعت کے لیے جڑتے ہیں، جبکہ اللہ کی نافرمانی پر وہ دوسروں سے ناطہ توڑ لیتے ہیں۔ جیسا کہ وہ کہتے ہیں: سنت پر ہم

---

78 دوبارہ واضح کردیں، اصل سیاق اس پورے مبحث کا [وضع بمقابلہ شرع] ہے۔

اکٹھے اور بدعت پر ہم علیحدہ۔ یہ ہے وہ "بھائی والی" جس میں اختلاف ہوا ہے[79]: اکثر علماء اس کے قائل نہیں، اس دلیل سے کہ وہ ایمانی اخوت اس سے ویسے ہی کفایت کر دینے والی ہے جسے اللہ اور رسولؐ نے مومنوں کے مابین باندھ رکھا ہے؛ لہٰذا وہ بجائے خود کافی ہے اور ہر قسم کی خیر لا کر دینے والی۔ پس ہونا یہ چاہیے کہ اسی کے ہی تقاضے اور واجبات پورے کرنے میں توانائیاں کھپائی جائیں؛ کیونکہ اللہ نے مومن کے مومن پر ویسے ہی اتنے حق رکھ دیے ہیں کہ نفوس کی پہنچ وہاں تک ممکن ہی نہیں۔ تاہم ایک فریق نے اسے جائز رکھا،

---

79 دورِ حاضر میں بعض فضلاء اس حدیث [لَا حِلْفَ فِي الْإِسْلَامِ "اسلام میں کوئی (آپس کی) حلف بندی نہیں"] کو تنظیمیں بنانے سے ممانعت پر لاگو کرتے ہیں۔ ہمارے (اساتذہ کے) نزدیک، حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ خود اسلام ہی میں وارد بعض اعمال یا اہداف کے سلسلہ میں اگر کچھ مسلمان آپس میں محض تعاون co-operation اور تنسیق co-ordination کا کوئی پروگرام بنا لیتے ہیں تو وہ اس کے مجاز نہیں، ایک دعویٰ بلا دلیل ہے۔ مسلمانوں کا چودہ صدیوں کا تعامل بھی ایسے کسی استدلال کا مؤید نہ ہوگا۔ جبکہ "تنظیمیں" اپنی اصل میں دین کے بعض فرائض کی انجام دہی کے لیے تعاون اور تنسیق کے کچھ پروگراموں ہی کا نام ہے، پس اس میں کیا قباحت؟ ہاں کوئی تنظیم اگر اس تعاون اور تنسیق سے بڑھ کر کسی سٹیٹس کی دعویدار ہے، تو وہ ایک الگ بحث ہو سکتی ہے۔ پھر خاص طور پر، جب سے "اِمارتوں" اور "ولایتوں" کی سطح پر "دین" کے اجتماعی اہداف پر عمل معاشرے میں تقریباً معطل ہے، اسلام کے ان اہداف کی حسب استطاعت انجام دہی کے لیے "تنظیموں" کی صورت دستیاب یہ فورم بسا غنیمت ہیں۔ یہ نہ ہوتیں تو دین اسلام کے اجتماعی نوعیت کے بے شمار فرائض جو آج جیسے کیسے انجام پا رہے ہیں، سرے سے معطل ہوتے۔ اس موضوع پر ہمارے استاد صلاح الصاوی نے کچھ نہایت مفید تاصیلات بیان فرما رکھی ہیں۔

بشرطیکہ یہ مشروع حد میں رہے اور خلافِ شریعت بات اس میں کوئی نہ ہو۔

رہ گیا "بھائی وال" ہونا اس بات پر کہ دونوں اپنی نیکیاں اور برائیاں سانجھی کریں گے۔ ان میں سے جو جنت میں گیا وہ دوسرے کو بھی جنت میں لے جائے گا، وغیرہ باتیں جو ان میں سے بعض لوگوں کے یہاں پیمان میں شامل کی جاتی ہیں، تو یہ اور اس طرح کی شروط صحیح نہیں ہیں۔ نہ ہی ان کو پورا کرنا ممکن ہے۔ کیونکہ شفاعت کوئی نہیں کرے گا سوائے جسے اللہ شفاعت کے لیے لب کشائی کی اجازت دے گا۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے، دونوں اس دن کس حال میں ہوں گے اور کون کس چیز کا مستحق ٹھہرے گا۔ لہٰذا ایک مسلمان کیسے وہ بات اپنے سر لے سکتا ہے جو اس کے اختیار میں نہیں، اور جس میں اس کا اپنا انجام معلوم ہے اور نہ دوسرے کا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں ایسے پیمان باندھنے والوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا شرطیں باندھ رہے ہیں۔ ان میں سے کسی کو اگر یہ اندازہ ہو کہ ان میں سے کسی کی جائیداد کا ایک حصہ لے لیا جائے گا تو اللہ ہی جانے وہ اسے قبول کرنے والا ہو گا یا نہیں۔

شریعت مسلمانوں کے سب اتفاقات، معاہدوں اور اصطلاحات کو over-ride کرے گی

بہر حال اس "بھائی والی" وغیرہ میں لوگوں کے مابین جو شروط، پیمان اور حلف بندیاں ہوتی ہیں، وہ سب کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹائی جائیں گی۔ ہر وہ شرط جو کتاب و سنت کے موافق نکلے اسے پورا کیا جائے گا۔ اور [مَنْ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَهُوَ بَاطِلٌ؛ وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ. كِتَابُ اللَّهِ أَحَقُّ، وَشَرْطُهُ أَوْثَقُ "جس نے کوئی ایسی شرط رکھی جو کتاب اللہ میں نہیں، تو وہ باطل ہے اگرچہ وہ سو شرطیں ہوں۔ کتاب اللہ ہی سب سے بڑا حق ہے، اور اس کی شرط ہی سب سے موثوق "]۔ پس جب بھی

انسانوں کی کوئی شرط اللہ اور اس کے رسولؐ کی شرط کے ساتھ متعارض ہو گی، تو باطل (بے حقیقت) ہو گی۔ مثلاً یہ شرط کہ دوسرے کی اولاد اِس کی اولاد ہو گی۔ یا دوسرے کا آزاد کردہ لونڈی غلام اِس کا مولیٰ ہو گا۔ یا یہ کہ اس کی اپنی اولاد یا رشتہ دار اس کے وارث نہ ہوں گے۔ یا یہ کہ وہ جو بھی تقاضا کرے یہ اس میں اس کا معاون ہو گا۔ یا یہ کہ یہ اس کی نصرت کرے گا ہر اس شخص کے خلاف جس سے اس کی دشمنی ہو، قطع اس سے کہ وہ دشمنی حق میں ہو یا باطل میں۔ یا یہ کہ وہ جو اس سے کہے یہ اس میں اس کی مانے گا۔ یا یہ کہ یہ اسے مطلق طور پر جنت میں لے جائے گا اور دوزخ میں نہیں جانے دے گا۔ اور اسی طرح کی شرطیں۔ اور اگر ایسی شرطوں پر مشتمل پیمان ہو ہی جائیں، تو (صرف) ان کے وہ حصے پورے کیے جائیں گے جو اللہ اور رسولؐ کے حکم کے موافق ہیں، اور وہ حصے پورے نہیں کیے جائیں گے جن سے اللہ اور رسولؐ نے ممانعت فرما رکھی ہے۔ اور یہ بات مسلمانوں کے مابین متفق علیہ ہے۔ ہاں مباحات کی بات آئے تو وہاں کچھ اختلاف اور تفصیل ہے جس کے بیان کا یہ مقام نہیں۔

یہی معاملہ ان شروط سے متعلق ہو گا جو بیوع transactions، ہبہ اور وقف کے وثیقوں، نذر (منت) مانی گئی اشیاء، ائمہ (خلفاء، حکام) کو دی جانے والی بیعت کی عبارتوں، مشائخ (پیروں) کے ساتھ کی جانے والی بیعت کے صیغوں، "بھائی وال" ہونے والے فریقین کے مابین ہونے والے سمجھوتوں، قبیلوں برادریوں (پنچایتوں/ جرگوں) سے سامنے آنے والے عہد و پیمان، وغیرہ، امور میں (کہیں بھی) باندھی گئی ہوں۔ کیونکہ ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ ہر شے میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرماں برداری کرے، اور ہر شے میں اللہ اور اُس کے رسولؐ کی نافرمانی سے دور رہے؛ اور "نہیں مخلوق کی کوئی فرماں

برداری جہاں خالق کی نافرمانی بنے"، اور واجب ہے کہ اللہ اور اس کا رسولؐ ہی اسے ہر شے سے بڑھ کر عزیز ہو، اور سوائے کسی ایسے شخص کے جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھنے والا ہو کسی کی اطاعت کا روادار نہ ہو"۔

واللہ اعلم